لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم

تحقیق اسئلہ ثمانیہ

مسمیٰ باسم تاریخی

ایضاح سنت

١٣٣٠ھ

تصنیف لطیف

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

حضرت علّامہ مفتی محمود جان قادری رضوی

پشاوری ثم جام جودھ پوری علیہ الرحمہ

تخریج، تحشیہ وترتیب جدید

مفتی محمد مزمل برکاتی مصباحی

دارالعلوم انوار مدینہ، جام کھمبھالیا

ناشر

صدر الشریعہ اکیڈمی، پور بندر (گجرات)

email:mbgodil@gmail.com

Mob.8780616019

باسمہ تعالیٰ

نام کتاب: ایضاح سنّت

نام مصنف: حضرت علّامہ محمود جان قادری رضوی پشاوری

تخریج، تحشیہ وترتیب جدید: مفتی محمد مزمل برکاتی مصباحی

کمپوزنگ وڈِزائننگ: مولانا غلام غوث مصباحی (سورت)

اشاعت اوّل: ۱۳۳۱ھ

اشاعت دوم: ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۳ء بموقع عرس محمودی

تعداد: ۱۱۰۰

ناشر: صدر الشریعہ اکیڈمی، پور بندر

-:ملنے کے پتے:-

(1) Darul Uloom Anware Madina,
Jam-Khambhaliya, Gujarat. Ph.:8780616019

(2) Sadrush-Shariya Academy,
Porbandar, Gujarat. Ph.: 8780616019

(3) Makatabah Darul-Mustafa,
Porbandar, Gujarat. Ph.:968752599

فہرست مضامین

جوابِ اول۔ص:۲۴

جوابِ دوم - ص:۵۶

جوابِ سوم۔ ص:۹۵

جوابِ چہارم-ص:۱۳۰

۹۴ ایک علامہ جلیل نے جو قوت اجتہادی رکھتے تھے اپنے امام کی تقلید صرف چار مسئلوں میں ترک کی تھی جس پر علمائے مدینہ طیبہ وفضلائے شام نے ان پر گرفت کی، اس واقعے سے اس بات کا بھی اظہار کہ تقلید امام معین دوصدی کے قبل ہی شائع ہوگئی تھی

۹۵ جماعتِ اعظم مقلدین ائمہ اربعہ کی ہے اور بحکم "حدیث اتباع جماعت اعظم" واجب اور اس سے علی حدگی موصل الی النار

۹۶ سوادِ اعظم کے معنی

۹۷ مذہب معین کی تقلید نہ کرنے میں بڑی بڑی خرابیاں

۹۸ غیر مقلدین کے اس مغالطے کا جواب کہ ایک مذہب پر عمل کرنے سے چاروں پر نہ ہوگا، سب پر کرنا چاہیے

۹۹ اگر آج کوئی عامی بلاضرورتِ شرعی صحابہ کی تقلید کرے تو اجماع کا خارق، جہنم کے لائق، بدعتی و گمراہ ہے۔ علی ہذا، مسائل اجتہادیہ میں بغیر اجازتِ مذہبی کوئی علامۃ الدہر بھی صحابہ کا مذہب اختیار کرلے تو وہ بھی تارکِ وجوب ولائق تعزیر ہے

۱۰۰ صحابہ میں چوبیس مجتہد تھے اور ایک لاکھ سے زائد مقلد

۱۰۱ ان چاروں مذہب کے نکلنے کے سبب کا اظہار

۱۰۲ ان چاروں مذاہب کے سوا اور مذہبوں کے باقی نہ رہنے اور ہمارے امام صاحب کے مذہب کا باقی مذاہبِ ثلاثہ پر فوقیت لے جانے، پھر امام مالک کے مذہب کا پھر امام شافعی کے مذہب کا پھر امام احمد بن حنبل کے مذہب کا بیان اور ہمارے امام صاحب کے مذہب کا تینوں مذہبوں کے آخر میں اختتام پانے کا ذکر اور تقلید شخصی کا ثبوت

جوابِ پنجم۔ص:۱۵۵

۱۰۳ عقلاً اس کا ثبوت کہ مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں

۱۰۴ باتفاقِ اہلِ اسلام بلکہ بعض کفار کے نزدیک بھی موتِ بدن کے بعد روح باقی رہتی اور اس کا علم بھی باقی رہتا ہے، اس میں خلاف ان کا ہے جو کسی گنتی؛ شمار میں نہیں

۱۰۵ معتزلہ وغیرہ کے نزدیک یہی مخصوص بدن ادراک میں شرط ہے، پس جب اس کے آلات گئے تو ان کے نزدیک ادراکِ جزئیات بھی گیا اور اہل سنت کے نزدیک فقدان آلات کے بعد ادراک نہیں جاتا اور یہی قواعد اسلام سے ظاہر

۱۰۶ موت کے بعد روح کا باقی رہنا بدلالتِ احادیث اور اجماع علما سے ثابت

۱۰۷ روح اپنے وجود کے بعد فنا کو قبول نہیں کرتی

جوابِ ششم - ص:۱۷۹

جوابِ ہفتم۔ص:۱۹۲

جوابِ ہشتم۔ص:۱۹۶

تصدیقات۔ص:۲۲۰

بسم اللہ الرّحمن الرحیم

تقدیم

حامداً وّمصلّیًا وّ مسلّمًا

امابعد!

زیر نظر کتاب "ایضاح سنت" ملقب بہ "تحقیق اسئلۂ ثمانیہ" خلیفۂ اعلی حضرت، حضرت علامہ و مولانا مفتی محمود جان علیہ الرحمۃ والرضوان کے خامۂ زر نگار سے نکلا ہوا ایک نہایت تحقیقی، مدلل و مفصل فتوی ہے جو انہوں نے حسب ذیل آٹھ سوالات کے جواب میں ارقام فرمایا:

[۱] حضور ﷺ کو تمام ماکان ومایکون بشمول غیوب خمسہ کا علم تفصیلی تھا یا نہیں؟ [۲] حضور ﷺ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی؟ [۳] حضور ﷺ کو شفاعت کا اذن مل چکا یا بروز محشر اگر بارگاہ الٰہی سے اذن شفاعت ملے گا تو شفاعت فرمائیں گے، ورنہ نہیں؟ [۴] مسئلۂ تقلید—— یہ سوال متعدد ذیلی سوالات پر مشتمل ہے۔ [۵] سماع موتی حق ہے یا نہیں؟ اور استدلال حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ اور فقہا کے مسئلۂ یمین کا جواب کیا ہے؟ [۶] قبروں پر روشنی اور چراغاں کرنا کیسا ہے؟ [۷] اعراس بزرگاں، اعیاد اور نماز استسقا کے لیے پرچم لے کر جانا کیسا ہے؟ [۸] زنِ مفقود الخبر جب کہ جوان ہو اور زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو، اس کا حکم کیا ہے؟

مسئلۂ علم غیب کے جواب میں آپ نے ۲/ آیات، ۷/ احادیث اور ۱۷/ اقوال علما پیش فرمائے اور سوال کا جو حصہ غیوب خمسہ سے متعلق ہے، اس پر ۸/ اقوال ذکر فرمائے کہ

حضور ﷺ غیوب خمسہ بھی جانتے تھے، پھر اپنے اشہب قلم کا رخ موڑا اور حضور ﷺ نے بعض چیزوں کے جواب میں جو فرمایا کہ مجھے علم نہیں، اس کے تفصیلی جوابات ارقام فرمائے۔

اور مسئلۂ معراج کے جواب میں آپ نے مذہب جمہور کہ حضور ﷺ کی معراج جسم انور کے ساتھ بحالت بیداری ہوئی اور اس شب سرکار اقدس ﷺ نے اللہ تعالی کو بچشم سر دیکھا، اس پر ۳۴؍ دلائل ذکر فرمائے اور اسی میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایات کی تحقیقی جوابات بھی مذکور ہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں آپ نے بشمول آیات واحادیث، کل ۳۱؍ دلائل ذکر فرمائے کہ حضور کو دنیا ہی میں اذنِ شفاعت مل چکا اور میدانِ قیامت میں حضور یقیناً جزماً شفاعت فرمائیں گے۔

چوتھے سوال یعنی مسئلۂ تقلید کے ضمن میں سات ذیلی سوالات تھے، آپ نے ہر مسئلہ کا نہایت مدلل جواب دیا اور حسب ضرورت تشریح وتفہیم بھی فرمائی، کل ۲۱؍ عبارات علما اپنے موقف کی تائید میں پیش فرمائیں۔

پانچویں سوال یعنی مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں، اس کو عقل ونقل دونوں طرح ثابت فرمایا، عقلاً ثابت ہونے پر ۵؍ عبارات ذکر کریں اور نقلاً ثابت ہونے پر ۱۸؍ شواہد پیش کئے، پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے انکار سماع کے ۳؍ جوابات ارقام فرمائے جس میں کل ۶؍ عبارات ذکر کیں، پھر خود ام المؤمنین کے اس انکار سے رجوع فرما لینے کو اشعۃ اللمعات اور شروح بخاری سے ثابت فرمایا، پھر اس مسئلہ کا جو فقہا نے قسم کے باب میں ذکر فرمایا ہے کہ اگر کسی

نے قسم کھائی کہ فلاں سے گفتگو نہ کروں گا، پھر اس کے مرنے کے بعد اس سے بات کی، تو قسم نہ ٹوٹے گی کیوں کہ میت سنتی نہیں، اس کا جواب تحریر فرمایا اور ثبوت میں ۱۲/ عبارتیں پیش فرمائیں۔

چھٹے سوال کے جواب میں اولاً دو شقیں فرمائیں کہ قبر پر روشنی کا مطلب ــــ یا تو یہ کہ عین سقف قبر پر روشنی کرنا یا قبر کے پاس روشنی کرنا، اول ممنوع ہے اور شق دوم کی پھر دو صورتیں ہیں ــــ اول یہ کہ اس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو اور دوم یہ کہ کوئی غرض صحیح ہو، پہلی صورت میں چراغ جلانا ممنوع ہے اور صورت دوم دو حال سے خالی نہیں ــــ یا تو وہ غرض بمنزلۂ حاجت ہو یا بمنزلۂ منفعت ــــ بمنزلۂ حاجت ہو، اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) قبر سر راہ ہو (۲) کسی مسجد کے متصل ہو (۳) مزار کسی اللہ کے ولی کا ہو، جس سے علی الترتیب مسافروں اور نمازیوں اور زائرین کو آرام ملے۔ اور بمنزلۂ منفعت ہو، اس کی سات صورتیں ہیں: (۱) تعظیم شعائر اللہ جیسے مسجد میں چراغاں کرنا (۲) تعظیم ذکر اللہ جیسے وعظ اور ختم قرآن کی مجلس (۳) تعظیم ایام متبرکہ جیسے شب براءت اور شب قدر (۴) تعظیم محبوب خدائے کریم جیسے مجلس میلاد یا شب معراج اور شب ولادت میں چراغ جلانا (۵) تعظیم مزارات اولیا و صلحا (۶) ان کے مزارات طیبہ کی شناخت اور نشانی کے طور پر چراغ روشن کرنا (۷) ان کی تشریف آوری اور دعوت میں چراغاں کرنا ــــ ان تمام صورتوں میں چراغ جلانا جائز ہے۔

اس پوری بحث کو ۴، حوالوں سے مبرہن فرمایا، پھر روشنی بروجہ صحیح کے جواز پر انوکھے انداز میں بحث فرمائی اور عرف و تعامل سے اس کا جواز ثابت فرمایا اور اس کے متعدد شواہد پیش کیے۔

ساتویں سوال کے جواب میں فرمایا کہ نشان لے جانا فی نفسہ جائز ہے، مگر عوارض لاحقہ کی وجہ سے ممنوع ہے اور اس سوال کے جواب میں فتاوی رضویہ کا ایک مفصل فتوی پیش فرمایا، صد افسوس کہ فتاوی رضویہ میں وہ فتوی ناپید ہے، نہ اعلی حضرت کے دیگر کتب و رسائل میں وہ فتوی دستیاب ہوا، شاید مرور زمانہ سے دوسرے بہت سے فتاوی کی طرح یہ وقیع فتوی بھی نذرِ عدم ہو گیا۔

اور آٹھویں سوال کے جواب میں اولا مجیب اول کے فتوے کے ۷/اغلاط گنائے، پھر زنِ مفقود الخبر کے بارے میں مذہب مالکی کو بیان کیا، پھر اس بارے میں مذہبِ حنفی کو مدلل و مفصل ذکر کیا اور عبارت قہستانی کا بھرپور رد فرمایا، اس پورے فتوے میں کتب احادیث اور اسفار فقہ سے کل ۲۷/ عبارات پیش کیں۔

غرض کہ پوری کتاب تحقیق وتدقیق کے جواہر پاروں سے لبریز ہے اور ہر فتوی آپ کی ژرف نگاہی، تبحر علمی، وسعت مطالعہ، جودت طبع، قوت اخذ، طرز استدلال، حوالجات کی کثرت اور فقہ وحدیث میں علم وآگہی بلکہ دستگاہی پر شاہد عدل ہے۔

اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان کے ۶۱/ علماے روزگار اور فضلاے کبار نے اس پر تائیدات وتصدیقات لکھیں، جن میں مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت، حضور صدر الشریعہ، حضور مفتیٔ اعظم، حضور حجۃ الاسلام علیہم الرحمۃ والرضوان جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں ہیں، ان تمام دستخطی مہری تصدیقات کو حضرت مصنف نے کتاب کے آخر میں درج کیا ہے۔

یہ کتاب پہلی بار ۱۳۳۱ھ میں چھپی تھی، ازاں دم تا ایں دم دوبارہ اس کی اشاعت نہ ہوئی، سال گزشتہ جام جودھپور کی رضوی مسجد کے امام، کرم گستر حضرت مولانا عباس رضوی صاحب

قبلہ "دار العلوم انوار مدینہ" جام کھمبھالیا میں تشریف لائے اور راقم الحروف کو کتاب ہذا پر کام کرنے کے لیے فرمایا، اس سے قبل عرس محمودی میں بھی وہ اس بے مایہ سے کتاب کا تذکرہ کر چکے تھے، لہذا میں نے باوجود اپنی بے بضاعتی کے محض متوکلا علی اللہ ہامی بھر لی اور انہوں نے اس کتاب کا ایک پی، ڈی، ایف نسخہ دیا جو ان کے پاس تھا۔

شعبان ۱۴۴۴ھ میں اس کی فوٹو کاپی نکال کر مطالعہ کیا تو دیکھا کہ اس میں کہیں کہیں پورے صفحات بیچ سے غائب ہیں، بہت سے مقامات پر صفحہ کا حوض دائیں، بائیں اور نیچے سے دبا ہوا ہے جس سے پورے الفاظ کٹ گئے تھے اور نا قابل فہم ہو گئے تھے۔ لہذا فقیر نے محب مکرم، عالی جناب زاہد بھائی اپلیٹا والے سے رابطہ کیا، ان دنوں وہ بنگلہ دیش میں تھے، ان کے پاس بھی وہی نسخہ تھا، پھر انہوں نے بہت تلاش وجستجو کی، ان کی محنت رنگ لائی اور کتاب کے دو صاف نسخے زمباوے میں ان کے کسی رشتہ دار کے یہاں دستیاب ہو گئے، ایک اصل کتاب اور دوسرا اسی کا عکس، انہوں نے سب کے فوٹو بھیج دیئے۔ والحمد للہ علی ذلک

پھر اس بے مایہ نے کتاب پر کام کرنا شروع کیا، اولا پوری کتاب کی کمپوزنگ کرائی گئی، پھر ۳ر بار پروف کیا گیا، جس میں حتی الوسع یہ کوشش کی گئی کہ اغلاط نہ رہیں اور جدید اصولِ کتابت، رموزِ او قاف اور پیرابندی کی پوری رعایت کی گئی تا کہ فہم عبارت میں سہولت ہو، پھر تمام حوالجات کی تخریج کر دی گئی اور فارسی عبارتوں کا ترجمہ بھی کر دیا گیا اور حسب ضرورت کہیں کہیں حواشی بھی بڑھائے گئے اور جہاں قدیم طرز میں ترجمہ کیا گیا تھا، انہیں جدید اسلوب میں بدل دیا گیا تا کہ عبارت کی لطافت اور چاشنی اور قارئین کی دلچسپی بر قرار رہے۔ اس طرح یہ کتاب پوری تزئین کاری کے بعد طباعت واشاعت کے مراحل سے گزر کر ۱۱۴ر سال کے بعد جدید رنگ و آہنگ کے

ساتھ آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ رب قدیر و مقتدر اس بے مایہ کی ادنی کاوش کو اپنی بارگاہ میں اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور میرے نیز میرے والدین کے لیے اسے ذریعۂ نجات اور پروانۂ بخشش بنائے۔

آخر میں ان تمام احباب کا تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب میں کسی بھی طرح کا علمی تعاون فرمایا، خصوصاً حضرت مولانا سید آفریدی صاحب زید مجدہ (استاذ دار العلوم انوار مدینہ) جنہوں نے جواب ہشتم کی جملہ عبارتوں کی تخریج فرمائی اور اس بار کو قدرے ہلکا کیا، ہاں! اس میں جہاں حواشی لگے ہوئے ہیں، وہ اس بے مایہ کے ہیں۔ ساتھ ہی ان اہل خیر حضرات کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کی طباعت و اشاعت کا ذمہ اٹھایا۔

مولیٰ تعالی ان تمام حضرات کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انہیں دنیا و آخرت میں اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ وما ذلك على الله بعزيز.

ضروری تنبیہ

جس عورت کا شوہر گم ہو جائے اور اس کی زندگی اور موت کسی کا کچھ علم نہ ہو سکے، اسے فقہائے کرام مفقود الخبر (لاپتہ) کہتے ہیں۔

مفقود الخبر کی عورت کے لیے مالکیہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ وہ قاضئ شرع کے حضور مرافعہ کرے، قاضی بعد تحقیق روز مرافعہ سے چار برس کی مہلت اپنی طرف سے مقرر کرے، عورت یہ دن گزارے، اس کے بعد پھر مستغیث ہو اور قاضی بعد تحقیق تفریق کرے، اس کے بعد عورت عدت میں بیٹھے پھر نکاح کر سکتی ہے۔ (فتاوی رضویہ: ۶/ ۳۲۰)

اور مذہب حنفی میں ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ جب اس کے شوہر کی عمر سے ستّر سال گزر جائیں، تب اس کی موت کا حکم دیا جائے گا، پھر اس کی عورت عدت وفات گزارے، اس کے بعد جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے۔ مثلاً ۳۰برس کی عمر میں شوہر لاپتہ ہوا تو اس کی عورت چالیس سال تک انتظار کرے، پھر جب وہ چالیس سال گزار لے تو اب اس کے شوہر کی موت کا حکم دیا جاے، پھر وہ عدتِ وفات گزار کر جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کے زمانے تک ہمارے فقہاے کرام اسی پر فتوے دیتے رہے، خود اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے بھی اسی پر فتوی دیا، جیسا کہ زیر نظر کتاب میں آٹھویں سوال کے جواب میں فتاوی رضویہ کے حوالہ سے ایک طویل فتوی پیش کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی فتاوی رضویہ میں زنِ مفقود الخبر کے بارے میں متعدد فتاوی موجود ہیں، اور چوں کہ یہ کتاب اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کی حیات مبارکہ میں چھپی تھی، اسی لیے حضرت علامہ مفتی محمود جان علیہ الرحمۃ نے بھی اس سوال کا جواب مذہب حنفی کی روشنی میں دیا ہے۔

مگر اب حالات کے پیش نظر اس خصوص میں مسلک حنفی پر عمل کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہے، اس لیے حضور مفتیِ اعظم رضی المولی تعالی عنہ نے اپنے دور میں مفقود الخبر کی عورت کے بارے میں امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے مذہب پر فتوی دینے کی اجازت عطا فرمائی اور آج تقریبا تمام دار الافتا سے اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔

ملاحظہ کریں:

[۱] فتاوی بحر العلوم:(۴۰۵/۳)

میں ادارۂ شرعیہ کی اس میٹنگ میں خود شریک ہوا تھا، جس میں حضور مفتیٔ اعظم نے مضطر و مجبور کے لیے امام مالک رحمۃ اللہ کے مسلک پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا۔

[۲] حاشیۂ فتاوی امجدیہ از حضور شارح بخاری علیہ الرحمۃ: (۹۱/۲)

اس دور پُر فتن میں ہمارے علما کا تقریبا اس پر اتفاق ہے کہ اس خصوص میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب پر فتوی دیا جائے... اس زمانے میں جب کہ یہاں حاکم اسلام نہیں، اعلم علماے بلد جو مرجع فتوی ہو، اس خصوص میں قاضی کے قائم مقام ہے۔

محمد مزمل برکاتی مصباحی

خادم دار العلوم انوار مدینہ، جام کھمبھالیا

وبانی صدر الشریعہ اکیڈمی، پور بندر

[۱۲، محرم الحرام ۱۴۴۴ھ / ۳۱، جولائی ۲۰۲۳ء]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمائے اہل سنّت و مفتیان شریعت کا مسائل ذیل میں کیا ارشاد ہے؟

[۱] سرور عالم ﷺ کو علم غیب روز اوّل سے روز آخر تک کی تمام چیزوں کا تفصیلی تھا یا نہیں اور ان پانچ غیب پر بھی جن کو پروردگار نے فرمایا کہ "میرے پاس ان کا علم ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ **(۱)** قیامت کب آئے گی **(۲)** پانی کب برسے گا **(۳)** حملوں میں (ماں کے پیٹ میں) کیا ہے **(۴)** کل آدمی کیا کام کرے گا **(۵)** کس جگہ مرے گا" حضور ﷺ کو آگاہی تھی یا نہیں؟ اگر تمام چیزوں کا علم تھا تو پھر حضور ﷺ نے صدہا چیزوں کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ: "لاأدری ولا أعلم" میں نہیں جانتا؟ نیز تمام چیزوں کا علم غیب مان لینے میں علوم پروردگار کے ساتھ مساوات لازم آئے گی، اور یہ ہو نہیں ہو سکتا کہ مخلوق کا علم خالق کے علم کے برابر ہو جائے، اس کے مان لینے میں شرک لازم آئے گا۔

[۲] حبیب خدا ﷺ کو معراج جسم اطہر کے ساتھ ہوئی یا صرف روح شریف کو، بر صورت اوّل حضرت امیر معاویہ و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کا کیا جواب ہو گا جو معراج روحانی کی تصریح کرتے ہیں، مسجد اقصیٰ تک یا ہفت آسمان و عرش و لا مکاں تک؟ آپ نے اپنے رب کو چشمِ سر سے دیکھا یا چشمِ دل سے؟ منکر معراج پر شریعت کیا حکم کرتی ہے؟

[۳] حضور ﷺ کی شفاعت عام و تام و حق؛ داخل عقائد اول سنّت ہے یا نہیں؟ اور اذن شفاعت مل چکا ہے یا میدانِ قیامت و روز جزا و سزا میں اگر پروردگار تَعَالیٰ شَانُہٗ اذن دے گا تو آپ شفاعت فرمائیں گے ورنہ نہیں؟

[۴] مسئلہ تقلید میں ہم کو چند امر عرض کرنا ہے، ہر امر کا جواب جدا جدا مرحمت ہو (۱) تقلید کس کو کہتے ہیں؟ (۲) تقلید چاروں اماموں کی واجب ہے یا نہیں؟ (۳) ان چاروں میں سے ایک کو تقلید کے لیے خاص کر لینا کیسا ہے؟ اور کس نے خاص کیا؟ اور کب خاص کیا؟ (۴) کوئی شخص چاروں مذہبوں کو حق جانے مگر مذہب معیّن کی تقلید نہ کرے، جس مسئلے میں جس مذہب کو چاہے اختیار کر لیا کرے، ایسے شخص پر کوئی شرعی خرابی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ (۵) جب یہ چاروں مذہب والے نہ تھے تو ان کے پہلے لوگ کس کی تقلید کرتے تھے؟ جس کی وہ لوگ تقلید کرتے تھے اگر آج بھی کوئی شخص اسی کی تقلید کرے تو اس شخص پر کسی طرح کا الزام شرعی ہے یا نہیں؟ (۶) صحابہ مقلد تھے یا مجتہد؟ (۷) صحابہ کے مذہب پر عمل نہ کرنے اور ان چاروں مذہبوں پر عمل کرنے کی کیا وجہ اور ان (چاروں مذہب) کے نکلنے کا کیا سبب ہوا؟

[۵] ''سماع موتیٰ'' یعنی مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں؟ اگر سنتے ہیں تو قرآن شریف میں جو حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' (تحقیق تو نہیں سناتا ہے مردوں کو) اور وارد ہوا: ''اِنَّ اللہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ'' (تحقیق اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے اور نہیں ہے تو سنانے والا اس کو جو قبروں میں ہے)۔ ان دونوں آیتوں میں صاف انکار ہے اور انھیں آیتوں کی بنا پر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی انکار مروی ہوا اور فقہا سے بھی انکار ثابت ہوا، پس آیتوں اور قول حضرت عائشہ اور اقوالِ فقہا کا کیا جواب ہے؟

[۶] قبروں پر روشنی کرنا درست ہے یا نہیں؟

[۷] عید یا عرس یا استسقا میں علم نکال کر عید گاہ تک یا میدان صلاۃ استسقا تک لے جانا درست ہے یا نہیں؟

[۸] یہ فتویٰ پیش کیا جاتا ہے آیا صحیح ہے یا غلط؟ اور اس پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں؟ اگر اس فتویٰ کے غلط ٹھہرنے کی حالت میں جو اس کے مطابق عمل درآمد ہو گیا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ اور مفتی صاحب و گواہ و وکیل وغیرہ کیسے ہیں؟ اور اس جرم شرعی سے کس طرح پاک ہو سکتے ہیں؟ مفصل حال تحریر فرمائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

وہ فتویٰ حرف بحرف بجنسہ ذیل میں ہم نقل کیے دیتے ہیں:-

وھوھذا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص چار پانچ برس یا اس سے زائد ہوتے ہیں کہ گُم یعنی مفقود ہے اور اس کی عورت جوان ہے اور خواہش مرد کی اس کو ہے اور نان و نفقہ سے محتاج ہے اور اندیشہ اس کا ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جائے تو ایسی صورت میں امام مالک کے مذہب پر اس کو عمل کر لینا چاہیے؟ کہ مروی ہے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مروی ہے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اکثر صحابہ کا یہی مذہب ہے کہ عورت مفقود الخبر چار برس تک انتظار کرے، بعد ازاں نکاح کر لے۔

جواب: وقت ضرورت آئمہ احناف تصریح کرتے ہیں کہ فتویٰ قول امام مالک پر جو موافق ایک جماعت اصحاب کے ہے، نکاح کر لینا جائز ہے اور درست ہے۔ جب خوف وقوعِ حرام کا ہو تو عمل کرنا مالکیہ مذہب پر درست ہے (کذا فی جامع الرموز اور ایسا ہی رد المحتار وغیرہ میں ہے)، اگر عورت نے

مفقود الخبر کے چار سال کے بعد نکاح کر لیا اور اس کا پہلا خاوند آ گیا تو اس کا عورت پر کچھ حق نہ رہا اور وہ زوجہ مرد ثانی کی ہو گی اور شوہر اول کا نکاح فسخ سمجھا جائے گا اور مرد ثانی کا نکاح صحیح مانا جائے گا (کذا فی فتاویٰ مولوی عبد الحی، صفحہ: ۳۵۹، جلد دوم- صفحہ: ۱۴۷، جلد اول)، اور نکاح خواں اور شاہدوں اور وکیل پر کسی طرح کا گناہ صادر نہیں ہوتا نہ عورتوں پر طلاق ہوتی ہے یعنی خوانندۂ نکاح (نکاح پڑھانے والا) اور شاہد (دونوں گواہ) وغیرہ جرم سے پاک ہیں۔

بقلم: مسکین ناصر علی، مقام: باساواڑ، جمعہ مسجد

بتاریخ: ۱۱/ ربی[1] الثانی ۱۳۲۹ھ

---

[1] ایسا ہی اصل فتویٰ میں لکھا ہے، نقل موافق اصل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی أرسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و لو کره المشرکون، والصلوٰة والسلام علیٰ ماکان و مایکون، وعلی آله وأصحابه الذین جاهدوا فی سبیل الله تعالیٰ المشرکین والکافرین، وقاتلوا المنافقین والفاجرین لإعلاءالدین.

سوال اول

[ا] سرورعالم ﷺ کو علم غیب روز اوّل سے روز آخر تک کی تمام چیزوں کا تفصیلی تھا یا نہیں اور ان پانچ غیب پر بھی جن کو پروردگار نے فرمایا کہ "میرے پاس ان کا علم ہے اور کوئی نہیں جانتا- (۱) قیامت کب آئے گی (۲) پانی کب برسے گا (۳) حملوں میں (ماں کے پیٹ میں) کیا ہے (۴) کل آدمی کیاکام کرے گا (۵) کس جگہ مرے گا" حضور ﷺ کو آگاہی تھی یا نہیں ؟ اگر تمام چیزوں کا علم تھا تو پھر حضور ﷺ نے صدہا چیزوں کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ: "لاأدری ولا أعلم" میں نہیں جانتا؟ نیز تمام چیزوں کا علم غیب مان لینے میں علوم پروردگار کے ساتھ مساوات لازم آئے گی، اور یہ ہو نہیں ہو سکتا کہ مخلوق کا علم خالق کے علم کے برابر ہو جائے، اس کے مان لینے میں شرک لازم آئے گا۔

جواب سوال اول

ماقلّ و دلّ بتوفیق الله عزوجل: ہاں ہاں بے شک اس واہب العطیّات نے سرور مخلوقات ، باعث تخلیق کائنات، شہنشاہ ذی جاہ، محبوب اِلٰہ، سید الانبیاء الکرام علیہ و علی آلہ وصحبہ الصلاۃ والسلام کو روز اول سے روز آخر تک کی تمام چیزوں کا اجمالی و تفصیلی علم عطا فرمایا، ایک ذرّہ بھی آپ کے علوم

سے پوشیدہ نہ رہا۔ یہ سب آپ کے مرواریدِ بے شمار علوم سے ایک گوہرِ آبدار جسکی نورانی جھلک سے مسلمانوں کے دل منور وروشن ہوئے، وہابی مثل چمگادڑ کے اندھے بنے-اُن کی روشنی بڑھی مسرور ہوئے،اِن کے ہیے کی پھوٹیں (۱) مقہور ٹھہرے-اُن پر بارانِ رحمت برسا تازہ و شگفتہ ہوئے،اِن پر غضب کی بجلی گری جل بھن کر مرمِٹے، شور و فریاد کرنے لگے۔

مہ نور می فشاند و سگ بانگ می کند

مہ راچہ جرم خاصیتِ سگ ہمی بود (۲)

مجدد مائۃ حاضرہ، ناصر ملّت طاہرہ، خاتمۃ المحققین من الفقہاء والمحدثین والمفسرین، آیۃ من آیات رب العٰلمین، وارث الانبیاء والمرسلین، حکیم امت، اعلیٰ حضرت مولانا و ملجانا و سیدنا مولوی قاری حاجی احمد رضا خاں صاحب بریلوی متع اللہ المسلمین ببقائہ اپنے رسالۂ مبارکہ ''انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفیٰ'' کی ابتدا میں افادہ فرماتے ہیں:-

''بے شک حضرت عِزّت، عَزَّتْ عَظَمَتُہٗ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو تمامی اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا، شرق تا غرب؛ عرش تا فرش انھیں دکھایا، ملکوت السماوات والارض کا شاہد بنایا، روز اول سے آخر تک کا سب ماکان ومایکون انھیں بتایا، اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرّہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا، علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا، نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر وکبیر؛ ہر رطب ویابس جو پتا گرتا ہے، زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے، سب کو جدا جدا

---

(۱) [ان کے ہیے کی پھوٹیں] ہیے کی پھوٹنا یعنی چشم بصیرت کا باقی نہ رہنا۔

(۲) ترجمہ: چاند روشنی پھیلاتا ہے اور کتا اس کی طرف منہ کرکے بھونکتا ہے، چاند کا کیا قصور کہ کتے کی سرشت ہی یہ ہے۔

تفصیلاً جان لیا، والحمد للہ حمداً کثیراً بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہر گز ہر گز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وکرّم، بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے، ہنوز احاطۂ علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد و بے کنار سمند لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت وہ جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک و مولیٰ، جل وعلا والحمد للہ العلیّ الاعلیٰ۔

کتب حدیث وتصانیف علمائے قدیم و حدیث میں اس کے دلائل کا بسط شافی و بیان وافی ہے اور اگر کچھ نہ ہو تو بحمد اللہ قرآن عظیم خود شاہد عدل وحَکَمِ فصل ہے، قال اللہ تعالیٰ: "وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ[1]"، اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت ورحمت وبشارت، وقال اللہ تعالیٰ: "مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ[2]"، قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شي کا صاف جدا جدا بیان، وقال اللہ تعالیٰ: "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ[3]"، ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔

اقول وباللہ التوفیق: جب فرقان مجید ہر شي کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا روشن اور روشن بھی کس درجے کا مفصّل اور اہل سنت کے مذہب میں شي ہر موجود کو کہتے ہیں تو عرش تا فرش تمام کائنات ؛جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخلے ہوئے اور منجملۂ موجودات کتابتِ لوحِ

---

(۱) پ۱۴، سورۂ نحل، آیت:۸۹

(۲) پ۱۳، سورۂ یوسف، آیت:۱۱۱

(۳) پ۷، سورۂ انعام، آیت:۳۸

محفوظ بھی ہے، تو بالضرورۃ یہ بیاناتِ محیطہ اس کے؛ مکتوبات کو بھی بالتفصیل شامل ہوئے۔ اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھ دیکھیے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے؟ قال اللہ تعالیٰ: "وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ[۱]" ہر چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ: "وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ[۲]" ہر شي ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرمادی ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ: "وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ[۳]" کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرہ حیزِ نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے، بے دلیلِ شرعی تخصیص و تاویل کی اجازت نہیں ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے، نہ حدیثِ آحاد اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ درجے کی صحیح ہو؛ عموم قرآن کی تخصیص کر سکے بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائے گی بلکہ تخصیصِ متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیصِ عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسی نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم کو اللہ عزوجل نے تمام

(۱) پ ۲۷، سورۂ قمر، آیت: ۵۳
(۲) پ ۲۲، سورۂ یٰس، آیت: ۱۲
(۳) پ ۷، سورۂ انعام، آیت: ۵۹

موجودات، جملہ ماکان ومایکون الی یوم القیامۃ، جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق و غرب و سماوارض و عرش و فرش میں کوئی ذرّہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ وللہ الحجّۃ السامیۃ. انتھی.

یہ تحریر ایسی جامع ومانع ہے کہ اس نے اور دلائل ثبوت میں پیش کرنے سے مستغنی کر دیا، دامن مقصود کو مروارید تحقیقِ علومِ حضور سے بھر دیا۔ اب اس سے بڑھ کر متصور و ممکن نہیں تاہم بغیر اور ثبوت دیے مفر نہیں ورنہ کوتاہ بیں وبد اندیش۔ کم فہم و کینہ کیش؛ مفتی کے عجز پر محمول کریں گے، اس پر بڑے بڑے اعتراض جڑیں گے، بلکہ اصل مسئلہ ہی کے متعلق نہ معلوم کیا کیا بکیں گے، لہٰذا اب کچھ توضیح کے میدان میں اشہب خامہ کو جولانی دیتا ہوں۔ والتوفیق من اللہ الکریم وھو یھدی من یشاء إلیٰ صراط مستقیم.

ثبوت از آیات کریمہ واحادیث واقوال علمائے اعلام

دو(۲) آیتیں دو (۲) حدیثیں دو [۲] قول: (۱) کتاب منیر الدین[1] لمولانا بشیر الدین صفحہ ۶/ میں ہے: ’’شیخ ابو اسحٰق شیرازی جن کی جلالت علمی کی شان تاریخ ابن خلکان وغیرہ سے موجب اطمینان ہو سکتی ہے اپنے رسالہ **’’فوائد النفیسہ‘‘** میں تحریر فرماتے ہیں: ’’وکل واحد من قولہ تعالیٰ [۱] وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ وقولہ [۲] وَ مَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ، فیطلعہ علی الغیب و الغیب اسم الجنس فھو یفید العموم کما تقرر فی أصول الفقہ وحینئذ یکون معناہ: فیطلعہ علی جمیع الغیوب، و قولہ ﷺ [۱] علمت

(۱) ’’منیر الدین فی اثبات علم جمیع الاشیاء لسید الانبیاء والمرسلین‘‘ ملقب بہ ’’اضافۃ العیب الی ازالۃ الریب‘‘ مصنفہ: مولانا بشیر الدین، صفحہ: ۶، مطبوعہ گلزار حسینی پریس، بمبئی، ۱۳۱۸ھ

ماكان وما سيكون فيما رواه البخاري و قولهﷺ[٢] فى ما رواه أحمد والترمذي و صححه البخاري:إني قمت من الليل فتوضأت وصليت ماشاءالله، فنعست فى صلاتي، فاستثقلت فإذا أنا بربي تبارك و تعالىٰ، فقال:يا محمد! فيم يختصم الملأ الأعلى؟ قلت:لا أدرى، قالها:ثلاثا، قلت:لا أدرى، فرأيته وضع كفّه بين كتفي حتى وجدت برد أنامله بين ثديي، فتجلى لي كل شيئ و عرفت-خاص من حيث شخص النبيﷺ؛ عام من حيث المعلوم فإن المعلوم فى الاٰية الأولىٰ جميع المعلومات وفى الاٰيةالثانية جميع الغيوب، وفى الحديث الأوّل جميع الموجودات والمعدومات و فى الحديث الثاني جميع الأشياء أي جميع المعلومات، وكل واحد من هٰذه المعلومات الأربعة أعم من الغيوب الخمسة وغيرها، و نحن بعون الله و حسن توفيقه و تاييده أثبتنابسبعة دلائل تعلق علمهﷺ بجميع المعلومات فضلاً عن هذه الغيوب الخمسة في كتابنا "المدلول بالمنقول والمعقول في بيان شمول علم الرسول" وهو كتاب صنفناه في هذالشان انتهى".

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اور سکھایا تجھ کو وہ جو نہیں جانتا تھا" اور یہ ارشاد کہ "اور اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ تم کو غیب پر خبر دار کرے ،ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جس کو چاہتا ہے" (تو اس کو غیب پر آگاہ کر دیتا ہے،اور غیب اسم جنس ہے اور وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ اصول فقہ میں قرار پا چکا ہے اور جبکہ وہ اسم جنس ٹھہرا اور اس نے عموم کا فائدہ دیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تمام غیبوں پر مطلع کرتا ہے)اور حضور ﷺ کا ارشاد جسے بخاری نے روایت کیا کہ میں نے جو کچھ گزرا اور جو قیامت تک ہو گا سب کو جان لیا اور یہ فرمان جس کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور امام بخاری نے اسے صحیح کہا کہ بے شک میں رات میں اٹھا جیسی نماز تہجد کے

اٹھنے کی عادت تھی، پھر میں نے وضو کیا اور نماز تہجد ادا کی جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہی پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی اور نیند مجھ پر چھا گئی تو ناگاہ میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے حضور ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کس چیز میں فرشتے جھگڑتے ہیں، میں نے عرض کی: نہیں جانتا ہوں میں، حق تعالیٰ نے اس کلمے کو تین مرتبہ فرمایا، میں نے یہی عرض کی کہ میں نہیں جانتا، پھر میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو دیکھا کہ اپنے کفِ قدرت کو میرے دونوں شانوں کے بیچ میں رکھ دیا یہاں تک کہ میں نے اس کی خنکی اپنے سینے میں پائی، پس ظاہر وروشن ہوگئی مجھ پر ہر چیز اور میں نے سب کو جان پہچان لیا"۔ یہ چاروں خاص ہیں بلحاظ ذات اقدس اور عام ہیں بلحاظ معلوم کہ معلوم پہلی آیت میں تمام معلومات ہیں اور دوسری آیت میں تمام غیوب، اور حدیث اول میں تمام موجود اور غیر موجود چیزیں اور دوسری حدیث میں تمام چیزیں یعنی تمام معلومات، اور ان چاروں معلومات سے ہر ایک غیوب خمسہ اور ان کے غیر کو عام ہے، اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی حسن توفیق اور اس کی تائید سے اپنی کتاب "المدلول بالمنقول والمعقول فی بیان شمول علم الرسول" میں سات دلیلوں کے ساتھ ثابت کیا کہ حضور ﷺ کا علم متعلق ہے تمام معلومات کے ساتھ چہ جائے کہ یہ غیوب خمسہ اور وہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تصنیف کیا اسی بارے میں۔ انتہیٰ۔

تنبیہ: ہمارے علمائے کرام کا مسلکِ مہذب ومؤید بنصوص آیات وصحاحِ احادیث واقوالِ ائمۂ قدیم وحدیث کہ کتاب مستطاب "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ۔" وکتاب مستطاب "خالص الاعتقاد" وغیرہما میں روشن ومبرہن ہے، واضح فرماتا ہے کہ ان تعمیمات واطلاقات سے بروجہ احاطۂ تامہ جمیع ماکان ومایکون من اول یوم الی الیوم الآخر مراد ہے اور اس کے ساتھ علوم ذات وصفات

وکائناتِ آخرت سے وہ کروڑہا زیادات جن کا احصا اللہ و رسول کے سوا کسی کو نہیں، جنکی کثرت عظیمہ کے حضور یہ جملہ ماکان ومایکون بحر سے ایک نہر ہے، وللہ الحمد فتنبه ولا تزل۔(ہوشیار رہنا کہیں قدم نہ ڈگمگائیں)

[۲]تفسیر **روح البیان**(۱) جلد چہارم صفحہ:۱۵۴/ میں ہے:"صار علمه محيطا بجميع المعلومات الغيبية الملكوتية(۲) كما جاء في حديث اختصام الملئكة أنه قال:"فوضع كفه على كتفي، فوجدت بردها بين ثديي فعلمت علم الأولين والآخرين" وفی رواية:"علم ماكان وماسيكون".

یعنی حضور ﷺ کا علم تمام معلومات غیبیہ ملکوتیہ کو محیط ہے جیسا کہ حدیث اختصام ملائکہ میں آیا ہے کہ فرمایا آپ نے:"پس رکھا اللہ تعالیٰ نے اپنے کف قدرت کو میرے شانوں پر، پس پائی میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پھر حاصل ہو گیا مجھ کو علم اگلوں اور پچھلوں کا" اور ایک روایت میں ہے:"جان لیا میں نے اس کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا یعنی ابتدائے پیدائشِ اشیا سے قیامت تک کی تمام چیزوں کا علم مجھ کو حاصل ہو گیا۔

تیسری حدیث اور تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں قول

(۱)تفسیر روح البیان، جلد:۹، ص:۲۳۳، زیر آیت:لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی، سورۂ والنجم، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

(۲) قوله:(**الملكوتية**)أی فصار علمه محيطا بجميع المعلومات الغيبية أيضاً كما صار محيطاً بغيرها كما نطق به آخرالحديث: فعلمت علم الاولين والآخرين، والتخصيص بالملكوتية لكونها: أهم فی المرام وأفيد فی المقام.۱۲ علّامہ محدّث سورتی مولانا وصی أحمد أدام فيوضه.

(۳)**بخاری شریف**[۱] کتاب بدء الخلق میں ہے:"و روی عیسی عن رقبة عن قیس بن مسلم عن طارق بن شهاب، قال:سمعت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول:"قام فینا النبي صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً فأخبرنا عن بدء الخلق حتیٰ دخل أهل الجنة منازلهم، وأهل النار منازلهم حفظ ذٰلك من حفظه و نسیه من نسیه".

یعنی روایت کی عیسیٰ نے رقبہ، سے انہوں نے قیس بن مسلم سے، انہوں نے طارق بن شہاب سے، کہا طارق نے کہ سنا میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، فرماتے تھے کہ کھڑے ہوئے ہمارے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونا یا کھڑے ہونے کے مقام میں، پس خبر دی ہم کو ابتداے پیدائش سے آخر روز قیامت تک کی، یہاں تک کہ داخل ہوئے جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں، یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھول گیا اس کو جو بھولا یعنی بعض نے اس کو یاد رکھا اور بعض بھول گئے۔

[۳] حضرت شیخ مولانا عبد الحق محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ **"اشعۃ اللمعات[۲]"** جلد-۴، صفحہ:۴۶۹/ میں مضمون حدیث کی توضیح میں فرماتے ہیں:"**یعنی احوال مبدء و معاد از اول تا آخر ہمہ را بیان کرد**"۔

[۴] **عمدۃ القاری**[۳] شرح صحیح بخاری میں حافظ حدیث امام بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی فرماتے ہیں:"والغرض أنه أخبر عن المبدء والمعاش والمعاد جمیعاً، وإنما قال "دخل" بلفظ

---

(۱) بخاری، حدیث:۳۱۹۲، جلد:۴، صفحہ:۱۰۶، مطبوعہ دار طرق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ
(۲) اشعۃ اللمعات، باب بدء الخلق، جلد:۴، ص:۲۴۰، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ
(۳) عمدۃ القاری، جلد:۱۵، ص:۱۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

الماضي موضع المستقبل مبالغة للتحقق المستفاد من خبر الصادق، و فيه دلالة على أنه أخبر في المجلس الواحد بجميع أحوال المخلوقات من ابتدائها إلى انتهائها، وفي إيراد ذٰلك كله في مجلس واحد أمر عظيم من خوارق العادة، وكيف وقد أعطي جوامع الكلم مع ذلك" اور ایسا ہی [۵]**فتح الباری**(۱) شرح صحیح بخاری اور [۶]**ارشاد الساری**(۲) شرح صحیح بخاری اور [۷]**مرقاۃ**(۳) شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ حاصل سب کا یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے ایک ہی مجلس میں تمام مخلوقات کے تمام حالات ابتداے پیدائش سے قیامت تک کے بالتفصیل بیان فرمادیے کہ فلاں فلاں کے پیدائشی حالات یہ ہیں، زندگی یوں بسر کرے گا، یوں مرے گا، یوں حشر ہو گا، قیامت میں یہ یہ واقعات پیش آئیں گے، یہاں تک کہ اپنے اپنے ٹھکانے میں ہر ایک داخل ہو گا، جنت والا جنت میں؛ دوزخ والا دوزخ میں قرار پکڑے گا۔ پھر کچھ انسان ہی کے حالات نہیں بلکہ تمام مخلوقات؛ جملہ موجودات کے یہاں تک کہ آسمان میں جو پرندہ پر مارتا ہے اس تک کا کل حال ظاہر فرمایا جیسا کہ [۸]**شفاے**(۴) **قاضی عیاض** رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کسی چیز کا حال نہ چھوڑا، سب کو بیان فرمایا یہاں تک کہ آسمان میں جو پرندہ پر مارتا ہے اس کا علم بھی بیان کیا۔

چوتھی حدیث اور نواں قول

---

(۱) فتح الباری، جلد:۶، صفحہ:۲۹۱، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ

(۲) ارشاد الساری، جلد ۵، ص:۲۵۰، مطبوعہ المطبعۃ الامیریۃ، مصر، ۱۳۲۳ھ

(۳) مرقاۃ المفاتیح، باب بدء الخلق، جلد ۹، صفحہ:۳۶۳۴، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

(۴) الشفاء بتعریف حقوق المصطفی، ج:۱، ص:۳۳۶، فصل [ومن ذلك ما اطلع عليه من الغيوب] مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ

(۴) مسلم شریف[۱] میں حضرت عمرو بن اخطب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "قال: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما الفجر و صعد علی المنبر، فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی، ثم صعد المنبر حتی حضرت العصر، ثم نزل فصلی، ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس، فأخبرنا بما هو كائن إلى يوم القيامة، قال فأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا".

یعنی وہ کہتے ہیں ایک دن ہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نماز فجر پڑھی، آپ بعد فراغِ نماز منبر پر تشریف لے گئے اور ہم کو خطبہ سنایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت آیا پھر آپ منبر سے اُترے، پس نماز ظہر ادا فرمائی پھر منبر پر تشریف لے گئے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوا پھر منبر سے اتر آئے اور نماز عصر پڑھی پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوا، پس خبر دی ہم کو ان تمام چیزوں کی جو قیامت تک ہونے والی ہیں، اس دن بھر کے خطبے میں سبھی کچھ بیان فرمادیا۔ حضرت عمرو کہتے ہیں: ہم میں سے زیادہ جاننے والا وہ ہے جس نے آپ کے خطبے کو زیادہ یاد رکھا۔

اسی حدیث کی دوسری روایت میں جس کو امام احمد[۲] اور مسلم نے روایت کیا "فأخبرنا بما هو كائن" کی جگہ "فحدثنا بما كان وما هو كائن" ہے یعنی ہم سے بیان فرمایا جو کچھ ابتدائے آفرینش سے گزر چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ (ہکذا فی فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد-۶، صفحہ: ۲۰۸)

---

(۱) مسلم، باب اخبار النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فیما یکون الی قیام الساعۃ، حدیث: ۲۸۹۲، ج: ۴، ص: ۲۲۱۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

(۲) مسند حنبل، حدیث: ۲۲۸۸۸، ج: ۳۷، ص: ۵۲۵، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ

[۹] **ملا علی قاری** فرماتے ہیں: ”أي مجملاً و مفصلاً“[1]، یعنی اجمال و تفصیل دونوں کے ساتھ سب کچھ بیان فرمایا ﷺ۔

(۵) پانچویں حدیث: بخاری[2] و مسلم[3] میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں ہیں: ”قام فینا رسول اللہ ﷺ مقاما، ماترك شيأ يكون في مقامه ذٰلك إلى قيام الساعة إلا حدث به، حفظه من حفظه و نسيه من نسيه“.

یعنی ہم میں حضور ﷺ کھڑے ہوئے کھڑا ہونا (اور خطبہ بیان فرمایا) جس جگہ آپ قیام فرما تھے وہیں اپنے بیان میں جتنی چیزیں قیامت تک واقع ہوں گی ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا مگر اس کی خبر دے دی، یاد کیا اس کو جس نے یاد کیا اور بھول گیا اس کو جو بھولا یعنی بعض صحابہ نے یاد رکھا اور بعض بھول گئے انتہی۔

چھٹی حدیث اور دسواں، گیارہواں قول

(۶) مشکوٰۃ شریف[4] صفحہ: ۶۱/ میں ہے ”عن عبد الرحمٰن بن عائش قال: قال رسول اللہ ﷺ: رأيت ربي عزوجل في أحسن صورة، قال: فيم يختصم الملأ الأعلىٰ؟ قلت: أنت أعلم، قال: فوضع كفه بين كتفي، فوجدت بردها بين ثديي فعلمت ما فى السمٰوات والأرض و

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، باب فی المعجزات، جلد ۹، صفحہ: ۳۸۲۹، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

[2] **الف:** بخاری، باب وَكَانَ اَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا، حدیث: ۶۶۰۴، جلد: ۸، ص: ۱۲۳، مطبوعہ دار طرق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ

[3] **ب:** مسلم، باب اخبار النبی ﷺ فیما یکون الی قیام الساعۃ، حدیث: ۲۸۹۱، ج: ۴، ص: ۲۲۱۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

[4] مشکاۃ المصابیح، باب المساجد، الفصل الثانی، حدیث: ۷۲۵، ج: ۱، ص: ۲۲۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی، ۱۹۸۵ء

تلا ”وَ کَذٰلِكَ نُرِیْ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ“رواه الدارمي مرسلا والترمذي نحوه عنه“

یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، میں نے اپنے رب عزوجل کو بروجہ احسن دیکھا۔ کہا پروردگار نے! کس چیز میں فرشتے بحث و نزاع کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی، تو زیادہ جاننے والا ہے۔ فرمایا حضور نے، پس رکھا پروردگار نے اپنے کفِ قدرت وانعام کو میرے دونوں شانوں کے درمیان، پس پائی میں نے دست قدرت کی خنکی اپنے سینے میں، پس مجھ کو علم حاصل ہو گیا ان تمام چیزوں کا جو تمام آسمانوں اور زمین میں ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی ”اور ایسے ہی دکھاتے ہیں ہم ابراہیم کو ملک عظیم آسمانوں اور زمینوں کا اور تا کہ ہو ابراہیم یقین کرنے والوں سے“۔ اس حدیث کو دارمی نے بطریق ارسال روایت کیا اور ترمذی نے باختلافِ بعض الفاظ انہیں عبدالرّحمٰن سے اور حضرت ابن عباس اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔

[۱۰] **اشعۃ اللمعات**(۱) میں حضرت شیخ محدّث دہلوی ”فعلمت مافي السموات والارض“ کی شرح میں فرماتے ہیں: **”عبارت ست از حصول تمامہ علوم جزئی و کلی واحاطہ آن“**۔

یعنی حضور پر نور کا ارشاد کہ میں نے تمام چیزیں آسمانوں اور زمینوں کی جان لیں؛ یہ تمام علوم جزئی اور کلی کے حاصل ہونے اور ان کے احاطے سے عبارت ہے۔

---

(۱) اشعۃ اللمعات، جلد:۱، ص:۱۷۲، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

اور ”وكذلك نرى ابراهيم الخ“ کی توضیح میں یہ رقم کرتے ہیں: ”**واہل تحقیق گفتہ اند**[1] **کہ تفاوت ست در میان ایں دو رویت زیرا کہ خلیل علیہ السلام ملکِ آسمان وزمین رادید وحبیب ہر چہ در آسمان وزمین بود حالے از ذوات وصفات وظواہر وبواطن ہمہ رادید**“ الخ۔

یعنی اور اہل تحقیق نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں رویت کے درمیان فرق ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے ملک آسمان وزمین کو دیکھا اور حبیب اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا یعنی ذوات اور ان کی صفات اور ان کے ظاہری وباطنی احوال، سب کو دیکھا۔ الخ۔

[۱۱] **امام ابن حجر مکّی**[2] اس کی شرح یوں فرماتے ہیں: ”أي جميع الكائنات التي في السمٰوٰت بل وما فوقها كما يستفاد من قصة المعراج. والأرض هي بمعنى الجنس أي وجميع ما في الأرضين السبع بل وما تحتها كما أفاده إخباره عليه الصلاة والسلام عن الثور والحوت الذين عليهما الأرضون كلها“.

یعنی تمام کائنات کا جو آسمانوں میں ہیں بلکہ ان چیزوں کا بھی جو آسمانوں سے اوپر ہیں، حق تعالیٰ نے آپ کو علم عطا کیا جیسا کہ قصّۂ معراج سے مستفاد ہوتا ہے۔ اور زمین معنی میں جنس کے ہے جو کل طبقوں کو شامل ہے یعنی اور تمام ان چیزوں کا بھی علم دیا جو ساتوں زمینوں میں ہیں بلکہ ان اشیا کا بھی جو ساتویں زمین کے نیچے ہیں جیسا کہ اس کا فائدہ دیا آپ کے خبر دینے نے گائے اور مچھلی کے حال سے جن پر ساتوں طبقے زمین کے ہیں۔ انتہیٰ۔

---

[1] اشعۃ اللمعات، جلد:۱، ص:۲۷۱، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

[2] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۲، صفحہ:۶۰۹، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

ساتویں حدیث اور بارہواں قول

”قال رسول الله ﷺ: إن الله قد رفع لي الدنيا فأنا انظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كأنما أنظر إلى كفي هذه“

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے سامنے کر دیا، پس میں اس کو اور جو چیزیں اس میں قیامت تک ہونے والی ہیں ان کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔أخرجه الطبرانی[1] من حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ وأورده الإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالىٰ فی الخصائص الكبرىٰ[2].

[۱۲] **مواہب لدنیہ**[3] میں ہے: ”وقد تواترت الأخبار واتفقت معانيها علىٰ اطلاعه ﷺ على الغيب“

یعنی تحقیق متواتر حدیثیں اور ان کے معانی متفق ہیں اس بات پر کہ حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم کو غیب پر اطلاع ہے۔

یہاں تک بیان اس کا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور پر نور کو ابتداے پیدائش موجودات سے قیامت تک کی تمام چیزوں کا بالتفصیل علم دیا، تمام ماکان ومایکون کو حضور کا علم محیط ہوا، ایک ذرہ بھی آپ کے احاطۂ علم سے باہر نہ رہا۔ اب اس امر کی قدرے توضیح کی جاتی ہے کہ یہ جو کچھ بیان ہوا

---

(۱) معجم کبیر، حدیث: ۱۴۱۱۲، ج:۱۳، ص:۳۱۸

(۲) الخصائص الکبری، ذکر المعجزات فيما أخبره به من الكوائن، ج:۲، ص:۱۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(۳) شرح زرقانی علی المواہب، المقصد الثامن، الفصل الثالث: إنبائه ﷺ بالمغيبات، ج:۱۰، ص:۱۱۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ

وہ آپ کے چمنستانِ علوم سے ایک تر و تازہ مہکتا ہوا پھول ہے اور آپ کے بحرِ زخار ناپیدا کنار سے نکلی ہوئی ایک نہر جس میں عقل و فہم انسانی کی کشتیاں ہزار در ہزار بلکہ بے شمار قیامت تک چکر کھائیں اور کنارے کا راستہ نہ پائیں، ان کو اور ان کے سوا باقی بے شمار علموں کو وہ صاحبِ علوم جانیں یا ان کا عطا کرنے والا جلّ و علا۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار

کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

آن شرح بے نہایت کز حسن یار کردم

حرفے ست از ہزاراں کاندر عبارت آمد (۱)

تیرہواں، چودھواں، پندرہواں، سولہواں سترہواں قول

[۱۳] افضل العلما، اکمل الکملا شیخ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن سعید البوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی قصیدہ بردہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

فإن من جودك الدنيا و ضرتها

ومن علومك علم اللوح والقلم

---

(۱) ترجمہ: اس بھنور میں ہزروں کشتیاں ڈوب گئیں، جن کا تختہ تک کنارہ پر ظاہر نہ ہوا۔

محبوب کے حسن و جمال کی میں نے بے اندازہ تشریح کی، مگر یہ سب مل کر بھی اس کے حسن کی ہزاروں تعبیرات میں سے صرف ایک حرف ہے جو بیان میں آسکا۔

یعنی بے شک آپ کی جملہ بخششوں سے دنیا وآخرت ہے، اور آپ کے بعض علوم سے لوح و قلم کا علم ہے۔

[۱۴] مولوی صادق علی رضوی نے اس کی شرح میں یہ ترجمہ تحریر کیا: "**بتحقیق از جملہ عطائے تو دینا و آخرت واز بعض معلومات تو علم لوح و قلم ست**"۔

یعنی لوح و قلم کے تمام علوم آپ کے بعض معلومات ہیں، کل علوم نہیں۔ پھر آگے لکھا: "**وعلم تو محیط ست بجمیع اشیا آنچہ بر صفحۂ لوح محفوظ از زبان قلم رسیدہ**[۱]"۔

[۱۵] علامہ شیخ ابراہیم بیجوری[۲] علیہ الرحمہ اسکی شرح میں رقم کرتے ہیں: "ومن في قوله: "ومن علومك" للتبعيض، والمراد بعلومه ﷺ المعلومات التي أطلعه الله عليها، فإنه تعالىٰ أطلعه على علوم الأولين والأخرين، والمراد بعلم اللوح والقلم المعلومات التي كتبها القلم في اللوح بأمر الله تعالىٰ" ألخ".

یعنی "من"، قول صاحب قصیدہ "ومن علومك" میں تبعیض کے واسطے ہے یعنی تمام علوم لوح و قلم کے؛ آپ کے بعض علوم سے ہیں اور حضور ﷺ کے علوم سے وہ معلومات مراد ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام علوم اولین و آخرین پر مطلع فرمایا، اور علمِ لوح و قلم سے وہ معلومات مراد ہیں جن کو قلم نے لوح پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھا۔ انتہیٰ۔

---

[۱] ترجمہ فارسی: لوح محفوظ پر قلم نے جو کچھ لکھا ہے، سب کو آپ کا علم محیط ہے۔

[۲] شرح قصیدۂ بردہ، مصنفہ: شیخ ابراہیم باجوری، ص: ۱۳۲، مطبوعہ مکتبۃ الآداب، قاہرہ

لوح پر تمام ماکان ومایکون مرقوم، ابتداے پیدائش سے قیامت تک کی ہر چیز اس میں موجود، کوئی چیز باقی نہیں جو اس میں نہ لکھی ہو جیسا کہ ابتدا میں بیان ہو چکا اور یہ جو کچھ لوح پر مرقوم؛ وہ ہمارے مولا وآقا کے بعض علوم۔

[۱۶] ملاّ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: "وكون علمهما من علومه ﷺ أن علومه تتنوع إلى الكليات والجزئيات وحقائق ودقائق وعوارف ومعارف تتعلق بالذات والصفات، وعلمهما إنما يكون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه، ثم مع هذا هو من بركة وجوده ﷺ[1]".

یعنی حضور ﷺ کے بعض علوم سے علم لوح وقلم کا ہونا اس لیے ہے کہ حضور کے علوم منقسم ہیں کلیات اور جزئیات اور حقائق اور دقائق اور عوارف اور معارف کی طرف جو متعلق ہیں ذات وصفات الٰہی کے ساتھ، اور لوح وقلم کا علم جزیں نیست کہ آپ کی علمی سطروں سے ایک سطر اور آپ کے علمی دریاؤں سے ایک نہر ہے، پھر باوجود اس کے وہ جو کچھ ہے حضور ﷺ کے وجود ہی کی برکت سے ہے، اگر آپ نہ ہوتے تو لوح وقلم اور ان کے علوم کچھ بھی نہ ہوتے۔

ہم نے ہر شی میں ترا جلوۂ یکتا دیکھا
نور ہر رنگ میں تیرا ہی چمکتا دیکھا

---

[1] الزبدۃ فی شرح العمدۃ، مصنفہ: علامہ علی قاری، ص:۱۱۷، ناشر جمعیت علماے اسکندریہ، سندھ، پاکستان، ۱۴۰۶ھ

طفیلِ سرورِ دوراں ہوا سارا جہاں پیدا

زمیں پیدا؛ زماں پیدا؛ مکان پیدا

فائدہ: اگر کوئی شخص کہے کہ لوح میں جملہ ماکان ومایکون ابتداے پیدائش سے قیامت تک کی ہر چھوٹی بڑی چیز، ہر رطب ویابس مرقوم، ایک ذرّہ بھی باقی نہیں جو اس میں ثبت نہ ہو اور یہ سب حضور کے بعض علوم ہیں تو وہ بعض علوم کون سے ہیں جو لوح تک میں مسطور نہیں؟

اس کے جواب کی طرف اگرچہ تنبیہ میں اور اوپر ملا علی قاری کی عبارت میں اشارہ گزر چکا مگر یہاں قدرے توضیح سے کام لیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ ہزار در ہزار بے حد وبے شمار علوم متعلق ذات و صفاتِ الٰہی و متعلق بآخرت ہیں اور ان کا لوح محفوظ میں پتا نہیں، لوح میں تو ابتداے آفرینش سے قیامت تک علوم ہیں، علم ذات وصفات کا بیان ابھی ملا علی قاری کی عبارت سے گزرا۔ علوم متعلق بآخرت کا بیان علّامہ بیجوری نے اپنی شرح قصیدۂ بردہ شریف میں یہ کیا:-

[۱۷]"فإن قيل: إذا كان علم اللوح والقلم بعض علومهﷺ فما البعض الآخر؟ أجيب بأن البعض الآخر هوما أخبره الله تعالىٰ عنه من أحوال الآخرة، فإن القلم إنما كتب فى اللوح ما هو كائن إلى يوم القيامة(۱)".

یعنی پس اگر کہا جائے کہ لوح وقلم کا علم حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعض علوم سے ہے تو بعض اور علوم کون سے ہیں؟ جواب دیا گیا ہے کہ بعض اور علوم وہ ہیں جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضور کو احوالِ آخرت سے دی، قلم نے تو لوح پر جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے وہی لکھا ہے۔

---

(۱) شرح قصیدۂ بردہ، مصنفہ: شیخ ابراہیم باجوری، ص:۱۳۳، مطبوعہ مکتبۃ الآداب، قاہرہ

حاشیۂ جلالین شریف علّامہ صاوی علیہ الرحمہ سے حضور پر نور کے علوم متعلق بآخرت کی آئندہ پہلے جواب میں اس سے بڑھ کر توضیح آتی ہے۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ تمام مندرجات لوح محفوظ جس میں تمام احوالِ ماکان ومایکون ہے، حضور اقدس ﷺ کے بعض علوم ہیں تو اب ہم سائل کی اس بات کا جواب صاف دیتے ہیں کہ حضور کو غیوب خمسہ کا بھی علم تھا یا نہیں، وہ یہ کہ (۱) قیامت کب آئے گی (۲) پانی کب برسے گا اور کتنا اور کہاں برسے گا (۳) رحموں (ماں کے پیٹ) میں کیا ہے (۴) کل کیا ہوگا (۵) کون کس جگہ مرے گا۔ پس واضح ہو کہ تعیینِ روزِ قیامت اگر لوح پر ثبت تو حضور کو اس کا علم حاصل، اگر نہیں تا ہم ہمارا عقیدہ حسب تحریرِ محققین اس کے حصول ہی کا ہے۔ باقی غیوب اربعہ کے لوح محفوظ پر ثبت ہونے میں کیا شبہہ پھر حضور کو ان کا علم حاصل ہونے میں کیا اشتباہ؟ ہمارا تو یہی خیال ہے کہ حق جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے محبوب برگزیدہ، سردار بَرِیّہ علیہ افضل الثناء والتحیۃ کو غیوب خمسہ کا بھی علم عطا فرمایا اور جس کو وہ چاہتا ہے ان غیوب پر بھی آگاہ کر دیتا ہے۔

اٹھارہویں قول سے پنیتیسویں تک

[۱۸] تفسیرات احمدیہ میں ہے: "ولك أن تقول: إن علم هذه الخمسة وإن كان لا يعلمها أحد إلّا الله، لكن يجوز أن يعلمها من يشاء من محبيه وأوليائه بقرينة قوله: "إن الله عليم خبير" على أن يكون الخبير بمعنى المخبر[1]".

---

(۱) تفسیرات احمدیہ، مصنفہ: شیخ ملا احمد جیون امیٹھوی، ص: ۴۲۲، ناشر مکتبۃ الشرکۃ، قزان، ۱۳۲۳ھ

یعنی تو یہ کہہ سکتا ہے کہ بے شک غیوب خمسہ کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا لیکن یہ جائز ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور اپنے ولیوں سے جس کو چاہے تعلیم فرمائے اور اس پر قرینہ اسی باری تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبیر ہے اس بنا پر کہ خبیر معنیٰ میں مخبر کے ہے یعنی خبر دینے والا انتہیٰ۔

[۱۹] اشعۃ اللمعات میں حدیث "خمس لا یعلمهن إلا الله[۱]" کی یہ توضیح بیان فرمائی: "**مراد آں ست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ہیچ کس اینہارا نہ داند، آنہا از امور غیب اند کہ جز خدا کسے آں را نہ داند مگر آں کہ وی تعالیٰ از نزد خود کسے را بدانا ند بوحی والہام**"۔

یعنی حدیث میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا مراد یہ ہے کہ بغیر تعلیم الٰہی کے عقل کے زور سے کوئی نہیں جان سکتا، وحی والہام سے جس کو خدا چاہتا ہے ان غیوب کو معلوم کرا دیتا ہے۔

[۲۰] شرح قصیدۂ بردہ میں علّامہ ابراہیم بیجوری تحریر کرتے ہیں: "إنه ﷺ لم يخرج من الدنيا إلا بعد أن أعلمه الله تعالىٰ بهذه الأمور أي الخمسة[۲]"۔

یعنی بے شک نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گیے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں امور کا آپ کو علم عطا فرما دیا۔

---

[۱] اشعۃ اللمعات، کتاب الایمان، فصل اول، جلد:۱، ص:۲۶، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

[۲] شرح قصیدۂ بردہ، مصنفہ: شیخ ابراہیم باجوری، ص:۱۳۳، مطبوعہ مکتبۃ الآداب، قاہرہ

خالص الاعتقاد[1] لمولانا العلام،اعلم العلماء، الکرام الفاضل البریلوي دام فیضه الصوري والمعنوي مدّظله العالي میں افادہ فرمایا۔

[۲۲] علّامہ شنوانی نے جمع النہایۃ میں اسے (یعنی شرح قصیدۂ بردہ سے جو اوپر گزرا) بطور حدیث بیان کیا کہ "قدورد أن الله تعالیٰ لم یخرج النبیﷺ حتی أطلعه علی کل شيء[2]"

یعنی بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک حضور کو تمام اشیا کا علم عطا نہ فرمادیا۔

[۲۳] اسی میں ہے: حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی، غوث الزمان سید شریف عبد العزیز مسعود حسنی رضی اللہ عنہ سے راوی: "هوﷺ لا یخفیٰ علیه شيء من الخمس المذکورة فی الأیة الشریفة،وکیف یخفی علیه ذٰلك، والأقطاب السبعةمن الأمة الشریفة یعلمونها وهم دون الغوث، فکیف بالغوث، فکیف بسید الأولین والآخرین الذي هو سبب کل شيء ومنه کل شيء[3]"

یعنی پانچوں غیب جو آیۂ کریمہ میں مذکور ہیں، کوئی چیز رسول اللہ ﷺ پر مخفی نہیں اور کیوں کر یہ چیزیں حضور سے پوشیدہ ہیں حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا

---

[1] خالص الاعتقاد، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲۹، ص:۴۷۲تا۴۷۴، مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر، ۱۴۲۷ھ

[2] حاشیۂ جمع النہایۃ فی بدء الخیر والغایۃ لابن ابی جمرہ، مصنفہ: شیخ محمد بن علی شنوانی، ص:۲۳۹۔

[3] الابریز من کلام سیدی عبد العزیز دبّاغ، مصنفہ: شیخ احمد بن مبارک سجلماسی مالکی، الباب العاشر فی البرزخ وصفتہ، ص:۴۵۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع سوم، ۱۴۲۳ھ

مرتبہ غوث کے نیچے ہے پھر غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں؛ سارے جہاں کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں، ہر شی اُنہی سے ہے ﷺ۔

[۲۴] اسی میں ہے: "روض النضیر شرح جامع صغیر" میں امام کبیر جلال الملۃ والدین سیوطی سے اس حدیث کے متعلق ہے: "أما قوله ﷺ: إلا هو، فنفسر بأنه لا يعلمها أحد بذاته ومن ذاته إلا هو، لكن قد تُعْلم بإعلام الله تعالىٰ، فإن ثمة من يعلمها، وقد وجدنا ذٰلك لغير واحد كما رأينا جماعة علموا متى يموتون؟ و علموا ما في الأرحام حال حمل المرأة و قبله[1]".

یعنی نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ان پانچ غیبوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ بذات خود اپنی ذات سے انھیں اللہ ہی جانتا ہے، مگر خدا کے بتائے سے کبھی اوروں کو بھی ان کا علم ملتا ہے۔ بے شک ایسے موجود ہیں جو ان غیبوں کو جانتے ہیں اور ہم نے متعدد اشخاص ان کے جاننے والے پائے۔ ایک جماعت کو ہم نے دیکھا کہ انہیں معلوم تھا؛ کب مریں گے اور انہوں نے عورت کے حمل کے زمانے میں بلکہ حمل سے بھی پہلے جان لیا کہ پیٹ میں کیا ہے ۔ انتہیٰ۔

اسی طرح صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی حمل کی خبر دی، احیاء العلوم جلد: ۳/ بیان شواہد الشرع الخ میں ہے: 'قال:[2] أبو بكر الصدّيق رضى الله عنه لعائشة رضي الله عنها عند موته، إنما هم أخواك و أختاك.

---

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، مصنفہ: امام عبد الرؤوف مناوی، زیر حدیث: "مفاتیح الغیب خمس" الخ ج: ۵، ص: ۵۲۵، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ، مصر، ۱۳۵۶ھ

[2] اس کو عالم ربّانی، حافظ حدیث لاثانی، محرر مذہب نعمانی امام محمد بن الحسن الشیبانی نے عائشہ صدیقہ محبوبۂ محبوب سبحانی سے روایت فرمایا کہ "أنها قالت: إن أبا بكر كان نحلها جذاذ عشرين وسقا من ماله بالعالية، فلما حضرته الوفاة،

وکانت زوجته حاملاً، فولدت بنتا، فکان قد عرف قبل الولادة أنها بنت[1]".

یعنی فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے قریب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے: وہ تمہارے دونوں بھائی اور تمہاری بہنیں ہیں، اس حال میں کہ آپ کی بیوی صاحبہ حاملہ تھیں۔ پس بے شک صدّیق اکبر کو قبل ولادت حمل کا علم تھا کہ وہ بیٹی ہے۔

قال: واللہ یابُنَیَّة ما من الناس أحب إلي عني بعدي منك، ولا أعز علي فقرا منك، وإنی کنت نحلتك من مالي جذاذ عشرین وسقاً. فلو کنت جذذتیه و احترزتیه کان لك، فإنماهو الیوم مال وارث، وإنما هو أخواك وأختاك، فاقتسموه علی کتاب اللہ عزوجل. قالت: یا أبت! واللہ لوکان کذا وکذا لترکته، إنما هي أسماء، فمن الأخری؟ قال: ذوبطن بنت خارجة أراها جاریة، فولدت جاریة. انتهیٰ. حوالہ: مؤطا امام محمد، باب النُّحلی، ص:۳۴۹، مطبوعہ مجلس برکات، مبارکپور، ۱۴۲۷ھ (مفتی مزمل)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اعلم الصحابہ باتفاق الجماعہ امیر المؤمنین العتیق ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بیس وسق کھجوریں ہبہ فرمادیں کہ تم انہیں کھجور کے درختوں سے تڑوالینا اور اپنے قبضے میں لے آنا۔ حضرت عائشہ نے تڑوانے میں توقف فرمایا حتی کہ حضرت ابو بکر بیمار اور قریب الوفاۃ ہوئے، حضرت عائشہ سے فرمایا کہ میں نے تم کو بیس وسق کھجوریں بطور بخشش کے دی تھیں مگر تم نے نہ تڑوائیں، اگر تڑوالیتیں اور اس پر قبضہ کر لیتیں تو تمھاری ہوجاتیں کہ ہبہ کے تمام ہونے میں قبضہ موہوب لہ کا شي موہوب پر شرط ہے، اب وہ مال وارث کا ہے اور میرا وارث نہیں ہے مگر تمھارے دو بھائی اور دو بہنیں، پس اس کو کتاب اللہ عزوجل کے موافق بانٹو۔ حضرت عائشہ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تو بیس وسق ہیں، اگر اس سے اتنی اتنی زیادہ مالیت ہوتی تو بھی میں اپنی بہن اور بھائیوں کے لیے چھوڑ دیتی اور اس میں سے ایک حبہ نہ لیتی مگر یہ تو فرمایئے میری بہن فقط اسماہی تو ہے، دوسری کون سی ہے؟ فرمایا: دوسری وہ ہے جو بنت خارجہ کے پیٹ میں ہے، میرے علم میں وہ لڑکی ہے، پس پیدا ہوئی ان کی لڑکی۔ ۱۲۔ علّامہ محدّث السورتی مولانا وصی احمد الحنفی دام فیضہ القوی۔

[1] احیاء العلوم، ربع المہلکات، بیان معنی النفس والروح والقلب، ج:۳، ص:۲۴، دار المعرفۃ، بیروت

اقول: یہ حضور اقدس ہی کا معجزہ ہے جو ان کی امت سے وقوع میں آتا ہے، خود حضور اقدس ﷺ نے بھی حملوں وغیرہ کی خبریں دیں۔

[۲۵] مواہب لدنیہ میں ہے: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث بیان کی کہ میرا گزر نبی ﷺ پر ہوا، آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ تُو حاملہ ہے اور تیرے حمل میں لڑکا ہے، جب وہ پیدا ہو تو میری خدمت میں حاضر لانا۔ وہ کہتی ہیں: جب لڑکا پیدا ہوا، میں اس کو حضور کی خدمت اقدس میں لے گئی، آپ نے اس کو سیدھے کان میں اذان فرمائی اور بائیں میں اقامت، الی آخر الحدیث [(۱)]۔

یہ میں نے بطور التقاط چند الفاظ حدیث کا ترجمہ کیا، جو کوئی اس پر اور اس کے سوا اور چند آپ کے علوم مافی الارحام وغیرہ پر اطلاع چاہے، وہ کتاب منیر الدین کی طرف رجوع لائے۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ یہ بحث بھی با حسن وجوہ اختتام کو پہنچی کہ قادر علام نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو غیوب خمسہ کا بھی علم دیا اور حدیث میں جو یہ ارشاد ہوا کہ ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا؛ اس کا مطلب بھی واضح ہو چکا کہ بے اس کے بتائے کوئی نہیں جان سکتا اور وہ اس پر قادر ہے کہ جس کو چاہے بتادے۔ اور سائل نے جو یہ سوال کیا تھا کہ حضور نے بہت سی چیزوں کے متعلق فرمایا کہ ان کا علم مجھ کو نہیں، اس کے جواب کی طرف اشارہ ہو چکا اور ان سب چیزوں کا علم

---

(۱) مواہب اللدنیہ، مصنفہ: امام قسطلانی، مقصد ثامن، فصل سوم: إنبائه ﷺ بالمغيبات، ج:۳، ص:۱۴۰، مطبوعہ مکتبہ توفیقیہ، مصر

بھی حضور کے لیے ثابت ہوا۔ اب توضیح سے کام لیا جاتا اور اس بحث کو خوب گہرا رنگِ تحریر دیا جاتا ہے،وباللہ التوفیق.

اس کے چار جواب، سراپا صدق وصواب، پسندیدۂ اولی الالباب، دافع وہم وارتیاب ہیں۔

پہلا جواب: حضور اقدس کو بعض چیزوں کا علم بعض وقت نہ تھا بعد کو دیا گیا، دنیا سے تشریف لے جانے تک تمام ماکان ومایکون کا علم حاصل ہو گیا، ایک ذرّہ بھی اس کے احاطے سے باہر نہ رہ گیا جیسا کہ ابھی قول[۲۰و۲۲] میں گزرا۔ اس کا پورا بیان نہایت روشن وتاباں اسی کتاب مستطاب ''انباء المصطفیٰ[1]'' میں دیا۔ جو عبارت آغاز رسالہ میں نقل ہو چکی اسی سے متصل یہ تحریر کیا ہے:-

''اور جب کہ یہ علم قرآن شریف کے تبیانا لکل شیئ ہونے نے دیا اور پر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیا علیہم الصلاۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو''لم نقصص علیك'' یا منافقین کے بارے میں فرمایا جائے ''لاتعلمھم'' ہر گز ان آیات کے منافی اور احاطۂ علم مصطفی کا نافی نہیں۔ الحمد للہ طائفۂ تالفۂ وہابیہ جس قدر قصص وروایات واخبار وحکایات علم عظیم محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گھٹانے کو آیات قطعیۂ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے، سب کا جواب دہن دوز وفتن سوز انہیں دو فقروں میں ہو گیا۔

دو حال سے خالی نہیں یا تو ان قصص کی تاریخ معلوم ہو گی یا نہیں، اگر نہیں تو ان سے استناد جہل مبین کہ جب تاریخ مجہول تو ان کا تمامی نزول قرآن سے پہلے ہونا صاف معقول اور اگر ہاں -تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ تاریخ تمامی نزول سے پہلے کی ہو گی یا بعد کی، بر تقدیر اول مقام سے محض

---

[1] انباء المصطفی بحال سر واخفی، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲۹، ص:۴۸۸تا۴۸۹، مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر

بے گانہ اور مستدل نہ صرف جاہل بلکہ دیوانہ۔ بر تقدیر ثانی اگر مدعاے مخالف میں نص صریح نہ ہو تو استناد محض خرط القتاد۔ مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انہیں اقسام کی ہیں، ان آیات کے خلاف پر اصلا ایک دلیل صحیح صریح قطعی الافادہ نہیں دکھاسکتے اور اگر بفرض غلط تسلیم ہی کرلیں تو ایک یہی جوابِ جامع و نافع ونافی و قامع سب کے لیے شافی وکافی کہ عموم آیات قطعیۂ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی"۔الخ۔

[۲۶] تنبیہ الغفول عن علم غیب الرسول میں مولانا الاجل وفاضل اجل مولوی عبید اللہ صاحب فرماتے ہیں: **[۲۷]** علماے مکہ معظمہ نے رد قول نجدی میں فرمایا: "قال الخفاجي:"و أماماوردأنه ﷺ عُلِّمَ علم الأولين والآخرين، فلعله كان آخر أحواله بعد انقطاع عرض جبريل عليه السلام".

یعنی خفاجی نے کہاجو وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ کو علم اولین وآخرین دیا گیاتو غالباً یہ حضور کا پچھلا حال تھا حضرت جبریل علیہ السلام کے عرض کر چکنے کے بعد یعنی کل قرآن شریف نازل ہونے کے بعد۔

[۲۸] حاشیۂ جلالین علامہ صاوی جلد دوم طبع مصر صفحہ:۱۰/ میں ہے:"والذي يجب الإيمان به أن رسول الله ﷺ لم ينتقل من الدنيا حتى أعلمه الله بجميع المغيبات التي تحصل فى الدنيا والآخرة، فهو يعلمها كما هي عين يقين لما ورد:"رفعت لي الدنيا،فأنا أنظر إليها كأنما

أنظر إلی کفي هذه" وورد:"أنه أطلعه علی الجنة وما فیها والنار ومافیها" وغیرذلك مما تواترت به الأخبار ولکن أمر بکتمان البعض[1]".

یعنی اس پر ایمان لاناواجب ہے کہ حضوراقدس ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو دنیاوآخرت کے تمام غیوب کا علم عطا فرمادیا، آپ کو دونوں جہاں کے غیوب کا علم بطور عین الیقین ہے کیوں کہ حدیث میں وارد ہوا کہ دنیامیرے سامنے کردی گئی ہے، میں اسے ایسادیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، اور حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے جنت پراور جو کچھ کہ جنت میں ہے، ان سب پر اطلاع پائی اور دوزخ پراور جو کچھ کہ دوزخ میں ہے، ان سب پر آگاہی پائی۔ ان کے سوااور چیزوں پر بھی حضور آگاہ ہوئے جو متواتر حدیثوں میں آئیں لیکن بعض چیزوں کے چھپانے کا حکم ہوا۔انتهی ترجمته بتوضیح۔

دوسراجواب: بطور تواضع وادب آپ نے فرمایا کہ میں فلاں چیز کو نہیں جانتااور مجھے اس کا علم نہیں۔اس کے متعلق اور جواب اول کی بابت [۲۹] علاّمہ شیخ سلیمان الجمل نے [۳۰] فتوحاتِ الٰہیہ حاشیہ تفسیر جلالین میں تفسیر خازن سے تحتِ آیہ کریمہ "وَ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ" یہ نقل فرمایا:-

"فإن قلت: قد أخبر ﷺ عن المغیبات، وقدجاءت أحادیث في الصحیح بذٰلك، وهو من أعظم معجزاته ﷺ فکیف الجمع بینه و بین قوله "ولو کنت أعلم الغیب لاستکثرت من الخیر؟" قلت: یحتمل أن یکون قاله علی سبیل التواضع والأدب، والمعنیٰ: لا أعلم الغیب

(۱) تفسیر صاوی از علامہ احمد صاوی مالکی، زیر آیت: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا، سورۂ اعراف، ج:۲، ص: ۳۰۷، مطبوعہ فیصل بک ڈپو

إلا أن يطلعني الله عليه ويقدره لي، ويحتمل أن يكون قال ذٰلك قبل أن يطلعه الله عزوجل على علم الغيب، فلما أطلعه الله أخبربه كما قال:"فلا يظهر على غيبه احداً إلا من ارتضیٰ من رسول[1]" الخ".

یعنی پس اگر تو کہے کہ حضور ﷺ نے بہت سی غائب چیزوں کی خبر دی ہے اور آپ کے علم غیب میں بہت سی حدیثیں صحاح میں آئی ہیں اور علم غیب آپ کے معجزات سے بہت بڑا معجزہ ہے، پھر کیا سبیل ہے جمع و تطبیق کی اس میں اور حضور کے اس ارشاد میں کہ اگر میں غیب کو جانتا تو بہت کچھ خیر ذخیرہ کرلیتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ارشاد میں اس امر کا احتمال ہے کہ آپ نے اس کو بطور تواضع وادب کے فرمایا ہو اور معنی یہ ہیں کہ میں غیب کو خود نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اس پر مطلع فرمادیتا اور اس کی مجھ کو قدرت دے دیتا ہے۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حق تعالیٰ کے علم غیب پر آگاہ فرمانے سے پہلے آپ نے فرمایا ہو، پس جب اللہ عزوجل نے اس پر آپ کو مطلع کردیا اور اس کا علم غیب دے دیا پھر آپ نے اس کی خبر دی جیسا کہ فرمایا اللہ جل شانہ نے "پروردگار اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر جس کو پسند کرتا ہے رسول سے" یعنی رسول کو اس پر مطلع کرتا اور اس کا علم دے دیتا ہے۔ انتہیٰ۔

تیسرا جواب: بحیثیت بشریت آپ نے کسی امر کو ظاہر نہ فرمایا، اس کو [۳۱] **فصل الخطاب** میں علّامہ قیصری سے نقل کیا کہ:

---

[1] فتوحات الٰہیہ از علامہ سلیمان جُمَل، سورۂ اعراف، ج:۲، ص:۲۱۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

”ولا يعزب عن علمه مثقال ذرة في الأرض ولا في السماء من حيث رتبته، وإن كان يقول:”أنتم أعلم بأمور دنياكم“ من حيث بشريته[1]“

یعنی آپ کے مرتبے کی حیثیت سے تو یہ بات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرّے کے برابر بھی کوئی چیز آپ کے علم سے پوشیدہ نہیں۔ گو باعتبار بشریت کے آپ نے فرمایا کہ اپنی دنیا کی باتیں تم خوب جانتے ہو۔

چوتھا جواب: علم ذاتی وواجب وقدیم کی نفی، اس کی تصریح **[۳۲] فتاویٰ** امام نووی[2] و **[۳۳] فتاویٰ** علاّمہ ابن حجر مکّی[3] وغیرہا متعدد کتابوں میں موجود، حاجت تحریر نہیں۔

جہاں کہیں آیت وحدیث میں علم غیب حضور ﷺ کی نفی نکلتی ہو گی یا کسی جزئیہ کا انکار ثابت ہوتا ہو گا، وہاں ان چاروں وجوہ سے ایک نہ ایک وجہ ضرور ہو گی۔

الحق، جواب تو وہی پہلا جواب ہے جو اپنی روشنی وآب وتاب میں مثل آفتاب اور باقی تینوں جواب مثل نجوم جن کی روشنی اس کی تابانی کے آگے نیست ومعدوم، وہ مثل دریا؛ یہ اسی میں سے نکلی ہوئیں نہریں، وہ گستاخوں بے ادبوں کے لیے توپ؛ یہ بندوقیں۔ اس کے متعلق اسی جگہ **”انباء المصطفیٰ[4]“** میں ہے:-

---

(۱) منیر الدین فی اثبات علم جمیع الاشیاء لسید الانبیاء والمرسلین ملقب بہ "اضافۃ العیب الی ازالۃ الریب" مصنفہ: مولانا بشیر الدین، بحوالۂ فصل الخطاب، گیارہواں شبہ، صفحہ:۱۷۶، مطبوعہ گلزار حسینی پریس، بمبئی، ۱۳۱۸ھ

(۲) **الف:** فتاوی امام نووی، باب التفسیر، مسئلہ:۲، آیات علم الغیب، ص:۲۴۱، مطبوعہ دار البشائر، بیروت، طبع ششم، ۱۴۱۷ھ

(۳) **ب:** فتاوی حدیثیہ از امام ابن حجر مکی، مسئلہ:"من قال: إن المؤمن يعلم الغيب، هل يكفر" ص:۲۲۳، دار الفکر، بیروت

(۴) انباء المصطفی بحال سر واخفی، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲۹، ص:۴۸۹-۴۹۰، مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر

"تمام نجدیہ دہلوی و گنگوہی و جنگلی و کوہی سب کو دعوت عام ہے "أجمعوا شركائكم" چھوٹے بڑے سب اکھٹے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادۃ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو کہ تمامِ نزول قرآن عظیم کے بعد بھی اشیاے مذکورۂ ماکان ومایکون سے فلاں امر حضور اقدس ﷺ پر مخفی رہا جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا۔ "فإن لم تفعلوا ولن تفعلوا فاعلموا أن الله لا يهدي كيدالخائنين" (اگر ایسی نص نہ لا سکو اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہر گز نہ لا سکو گے تو خوب جان لو کہ اللہ راہ نہیں دیتا دغابازوں کے مکر کو) والحمدلله رب العلمين. " انتہیٰ۔

اب رہی بات کہ اگر تمام ماکان ومایکون کا علم حضور پر نور ﷺ کے لیے مان لیا جائے گا اور کسی چیز کو اس میں سے مستثنیٰ نہ کیا جائے گا تو معاذاللہ علم الٰہی کے ساتھ مساوات وبرابری لازم آئے گی۔ یہ نرا جنون ومدہوشی اور بد مذہبی کی کھلی نشانی اور سراسر خبط ہے اور شرک کا تصور وخیال تک بالکل بے ربط۔ وہابیوں کی یہ قدیمی رٹ اور جبلّی عادت ہے۔ او ذی ہوش! مساوات کیسی، ذرا ہوش میں آ، سمجھ سے کام لے۔ علم خالق ذاتی؛ یہ عطائی، وہ قدیم؛ یہ حادث، وہ غیر مخلوق؛ یہ مخلوق، وہ واجب البقا؛ یہ جائز الفنا، اس کا تغیر محال؛ اس کا ممکن۔ اے عقل مند! کیا تو نے علم الٰہی کا حصر اسی ماکان ومایکون میں کر لیا جو بے دھڑک مساوات کا حکم دے دیا "وما قدروالله حق قدره"، تم نے خود اپنے پروردگار "تعالى شانه"، ہی کی شان وقدر نہ جانی؛ اس قدیر بے چوں کی قدرت عظیمہ نہ پہچانی تو اس کے حبیب ﷺ کی قدر ومرتبہ کیا جانوگے۔ "وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ".

اسی **خالص الاعتقاد** میں ہے: ”بلا شبہہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا معاذاللہ مساوی در کنار۔ تمام اولین وآخرین وانبیا و مرسلین وملائکۂ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو۔ کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصّہ دونوں متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے، بخلاف علوم الٰہیہ کہ غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش وفرش وشرق وغرب وجملہ کائنات از روزِ اول تا روزِ آخر کو محیط ہوجائیں؛ آخر متناہی ہیں کہ عرش وفرش دو حدیں ہیں، شرق وغرب دو حدیں ہیں، روز اول وروز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے، بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا۔ تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے نہ کہ معاذاللہ توہم مساوات[1]“۔ انتہیٰ۔

للہ الحمد والمنۃ کہ یہ مختصر رسالہ ایسا نافع ومفید زبان سے میدانِ بیان میں آیا جس نے مطول تحریروں کے مطالعے سے مستغنی بنایا اور علم وسیع وعظیم نبی کریم ﷺ کو اس طور عرش تحقیق پر پہنچایا کہ جس میں جائے چوں وچرا ومجالِ دم زدن ومحلِ قیل وقال باقی نہ رہا، وہابیہ کے اعتراضات واہیہ وخیالات فاسدہ کی جڑ اُکھیڑ ی، ان کے لیے اوہام وشکوک تک کی جگہ نہ چھوڑی، ساری لن ترانیاں خاک میں ملیں، سب مکر سازی وفریب دہی برباد گئی۔ والحمدللہ الذي علم الإنسان مالم يعلم-والصلاة والسلام على حبيبه الذي أعطاه جميع علوم اللوح والقلم-وعلى اٰله وصحبه الذين أنعم عليهم بأنواع النعم. ❁❁❁❁❁❁❁

---

(۱) خالص الاعتقاد، مشمولہ فتاوی رضویہ، امر چہارم: "علم غیب سے متعلق اجماعی مسائل" ج:۲۹، ص:۴۵۰، مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر

سوال دوم

حبیب خدا ﷺ کو معراج جسم اطہر کے ساتھ ہوئی یا صرف روح شریف کو، بر صورت اوّل حضرت امیر معاویہ و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کا کیا جواب ہو گا جو معراج روحانی کی تصریح کرتے ہیں، مسجد اقصیٰ تک یا ہفت آسمان و عرش و لا مکاں تک؟ آپ نے اپنے رب کو چشمِ سر سے دیکھا یا چشمِ دل سے؟ منکر معراج پر شریعت کیا حکم کرتی ہے؟

جواب سوال دوم

یہ سوال پانچ سوالوں کو متضمن ہے **اول:** یہ کہ آپ کا معراج میں کہاں سے کہاں تک تشریف لے جانا ثابت؟ **دوسرا:** یہ کہ جسم انور کے ساتھ ہوئی یا مجرد روحانی؟ **تیسرا:** یہ کہ بر تقدیر جسمانی قول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کیا جواب ہے جن سے صرف روحانی ثابت ہوتی ہے؟ **چوتھا:** شبِ معراج آپ نے اپنے پروردگار تعالیٰ شانہ کو اپنے سر اقدس کی آنکھوں سے دیکھا یا قلب انور کی آنکھوں سے معاینہ کیا؟ **پانچواں:** منکر معراج کا حکم۔

پہلے اور دوسرے اور پانچویں سوال کا جواب بتوفیق اللہ الملک الوہاب: معراجِ حضور پر نور حق، داخل عقائد حقۂ اہل سنت و جماعت، قرآن مجید و سنت و اجماع سے ثابت۔ مسجد حرام واقع مکۂ مکرمہ سے مسجدِ اقصیٰ واقع ملک شام تک آپ کا تشریف لے جانا آیت قطعیۃ الدلالۃ سے ثابت، منکر اس کا کافر اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک احادیث مشہورہ سے ثابت، اقوال محققین میں واقع، مالہ من دافع، اس کا منکر ضال و متبدع۔ آسمانوں سے جنت یا عرش بلکہ بالاے عرش لا مکان

تک اور بہشت و دوزخ کی سیر یا اور عجائبات کا معاینہ فرمانا حدیث آحاد میں وارد، اس کا منکر فاسق مارد-اور صحیح یہ ہے کہ جاگتے میں ہوئی اور جسم انور کے ساتھ ہوئی۔ تعیین تاریخ میں بہت اختلاف ہے، اکثر علما اس پر ہیں کہ ربیع الاول شریف میں بعثت سے بارہویں سال ہوئی اور بعضے کہتے ہیں کہ ستائیسویں رمضان شریف کو ہوئی اور بعضوں کا بیان ہے کہ بعثت سے پانچویں یا چھٹے سال ہوئی اور مشہور ستائیسویں رجب ہے اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل در آمد۔ كذا قاله الشيخ في أشعة اللمعات [1]۔ اہل مدینہ اسی شب نہایت دھوم دھام اور بہت کچھ تزک واحتشام سے رجبی کیا کرتے ہیں، یہی تاریخ صحیح و مستند و معتمد ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں جن کو فرو گذاشت کرتا اور ثبوتِ مطلوب میں شاہد بیان کو خلعت تحریر پہنا کر تختِ قرطاس پر جلوہ گری دیتا اور توفیق قادر بیچوں سے چاہتا ہوں۔

سبحان من أسرىٰ إليه بعبده

ليري الذي أخفاه من اٰياته

شرح مقاصد جلد:۲/ صفحہ:۱۹۲/ میں ہے:"قد ثبت معراج النبيﷺ بالكتاب والسنة وإجماع الأمة، والحق أنه فى اليقظة بالجسد إلى المسجد الأقصىٰ بشهادة الكتاب و إجماع القرن الثاني ومن بعدهم، ثم إلى السمآء بالأحاديث المشهورة والمنكر مبتدع، ثم إلى الجنة أوالعرش أو طرف العالم على اختلاف الاٰراء بخبر الواحد .انتهىٰ. ملخصاً

---

[1] اشعۃ اللمعات، باب المعراج، ج:۴، ص:۲۸۸، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

یعنی تحقیق ثابت ہوئی معراج نبی ﷺ کی قرآن شریف اور سنت اور اجماع امت سے اور حق یہ ہے کہ وہ بیداری میں جسم انور کے ساتھ مسجد اقصیٰ تک بشہادت قرآن عظیم اور تابعین وائمۃ مابعد کے اجماع سے ہوئی، پھر وہاں سے آسمانوں تک احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے جس کا منکر بدعتی ہے (اور مسجد اقصیٰ تک کا منکر کافر) پھر آسمانوں سے جنت یا عرش یا کنارۂ عالم تک بنابر اختلافِ آرا خبرِ واحد سے ثابت ہے (اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے۔)

شرح عقائد صفحہ: ۱۰۴/ میں ہے: "والمعراج لرسول الله عليه الصلاة والسلام في اليقظة بشخصه إلى السماء ثم إلى ماشاء الله تعالىٰ من العلى حق أي ثابت بالخبر المشهور حتى أن منكره يكون مبتدعاً"[1].

یعنی اور معراج واسطے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے جاگتے میں جسم اطہر کے ساتھ آسمانوں تک پھر جن بلندیوں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حق ہے یعنی حدیث مشہور سے ثابت ہے یہاں تک کہ اس کا (یعنی آسمانوں سے بلندیوں تک کا) منکر بے شک مبتدع ہو گا۔

اس کے چند سطروں کے بعد ہے: "**وقوله** (إلى السماء) اشارة إلى الرد على من زعم أن المعراج فى اليقظة لم يكن إلا إلى بيت المقدس على مانطق به الكتاب. **وقوله** (ثم إلى ماشاءالله تعالىٰ) إشارة إلى اختلاف أقوال السلف فقيل: إلى الجنة، وقيل: إلى العرش، وقيل: إلى فوق العرش، وقيل: إلى طرف العالم، فالإسراء وهو من المسجد الحرام إلى بيت المقدس قطعي ثبت

---

(۱) شرح عقائد از حضرت سعد الدین تفتازانی، ص: ۱۴۲، مطبوعہ مجلس برکات، مبارکپور

بالكتاب، والمعراج من الأرض إلى السماء مشهور، وعن السماء إلى الجنة أو إلى العرش أو غير ذٰلك أحاد".

یعنی صاحب عقائد نسفیہ کا قول "آسمان تک" اس شخص کے رد کی طرف اشارہ ہے جس نے گمان کیا کہ معراج بیداری میں صرف بیت المقدس تک ہوئی جس پر قرآن شریف ناطق ہے۔ اور صاحب عقائد کا قول کہ "جہاں تک اللہ نے چاہا" سلف کے اختلافِ اقوال کی طرف اشارہ ہے۔ (اور وہ یہ کہ) کہا گیا ہے جنت تک ہوئی اور کہا گیا ہے عرش تک اور کہا گیا ہے بالائے عرش تک اور کہا گیا ہے کنارۂ عالم تک، پس اسرا یعنی رات میں آپ کا مسجد حرام سے بیت المقدس تک تشریف لے جانا قطعی قرآن مجید سے ثابت ہوا اور معراج زمین سے آسمانوں تک مشہور حدیثوں سے ثابت اور آسمانوں سے جنت تک یا عرش تک یا اس سے بھی آگے آحاد حدیثوں میں واقع ہوا ہے۔ انتہٰی۔

شرح فقہ اکبر: مولانا علی قاری صفحہ:۱۳۵/ میں ہے: "وخبر المعراج أي بجسد المصطفىٰ ﷺ يقظة إلى السماء ثم إلى ماشاء الله تعالىٰ في المقامات العلىٰ حق أي حديثه ثابت بطرق متعددة، فمن رده أي ذٰلك الخبر ولم يؤمن بمقتضى ذٰلك الأثر، فهو ضال مبتدع أي جامع بين الضلالة والبدعة. وفى كتاب الخلاصة: من أنكر المعراج ينظر إن أنكر الإسراء من مكة إلى بيت المقدس فهو كافر، ولو أنكر المعراج من بيت المقدس لا يكفر، وذٰلك لأن الإسراء من الحرم إلى الحرم ثابت بالأية وهى قطعية الدلالة، والمعراج من بيت المقدس إلى السماء ثبت بالسنة وهى ظنية الرواية والدراية [1]".

---

[1] شرح فقہ اکبر، از علامہ علی قاری، ص: ۳۲۲، مطبوعہ دار البشائر، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ

ترجمہ: حدیث معراج یعنی بیداری میں جسم انور کے ساتھ آسمانوں تک پھر مقاماتِ بالا میں جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حق ہے یعنی اس کی حدیث متعدد سندوں سے ثابت ہے۔ پس جس نے اس کو رد کیا یعنی اس حدیث میں چون وچرا کو دخل دیا اور اس اثر کے مقتضیٰ پر ایمان نہ لایا، وہ گمراہ وبدعتی ہے یعنی ضلالت وبدعت کے درمیان جامع ہے۔ اور کتاب **خلاصہ** میں ہے: جس نے معراج کا انکار کیا تو دیکھا جائے گا، اگر مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک اسرا کا انکار کیا تو وہ کافر ہے اور اگر بیت المقدس سے (آسمانوں تک) کا انکار کیا تو کافر نہ ہوگا (مگر گمراہ وبدعتی ضرور ہے۔) اور یہ اس لیے کہ بے شک اسرا حرم سے حرم تک ثابت ہوا ہے آیت سے اور وہ قطعیۃ الدلالۃ ہے اور معراج بیت المقدس سے آسمانوں تک ثابت ہوئی ہے سنت سے اور وہ ظنی ہے۔ انتہیٰ۔

قصیدہ بدء الأمالی میں ہے "وَحَقٌّ أَمْرُ مِعْرَاجٍ وَصِدْقٌ - فَفِيْهِ نَصُّ أَخْبَارٍ عَوَالٍ[1]" اور حق وثابت ہے امرِ معراج اور سچ ہے، اس لیے کہ امرِ معراج میں اونچی اونچی حدیثیں وارد ہیں۔

مولانا علی قاری اس کی **شرح** میں تحریر فرماتے ہیں: "کادت أن تکون متواترة " یعنی اخبار اس بارے میں اس کثرت سے وارد کہ قریب ہے کہ حد تواتر کو پہنچ جائیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: "أماالإسراء من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصىٰ فثبوته بالکتاب ولذا يكفر منكره، وأما المعراج إلى السماء فقد قالوا: إن منكره مبتدع لا كافر، والصحيح أنه كان يقظة ببدنه وروحه لابمجرد روحه".

---

(1) ضوء المعالی لبدء الامالی از علامہ علی قاری، ص: ۵۱-۵۲، مطبوعہ دار اللباب

یعنی لیکن اسرا مسجد حرام سے مسجد اقصی تک تو اس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے، اسی لیے اس کا منکر کافر ہے لیکن معراج آسمانوں تک تو علمانے فرمایا کہ اس کا منکر بے شک بدعتی ہے ؛کافر نہیں اور صحیح یہی ہے کہ جاگتے میں ہوئی مع بدن وروح کے نہ مجرد روح کے ساتھ۔

تکمیل الایمان صفحہ:۴۵؍ میں ہے:"ومعراجه فى اليقظة بشخصه إلى السماء ثم إلى ماشاءالله تعالىٰ حق[۱]".

یعنی آپ کی معراج جاگتے میں بدن اطہر کے ساتھ آسمانوں تک پھر جہاں تک چاہا اللہ تعالیٰ نے حق ہے۔

اشعۃ اللمعات صفحہ:۵۵۰؍ میں ہے: **"اسرا از مسجد حرام ست تا مسجد اقصی و معراج از مسجد اقصیٰ ست تا آسمان۔ واسرا ثابت ست بنص قرآن و منکر آن کافر ست و معراج باحادیث مشہورہ و منکر آں ضال و مبتدع ست۔ و تحقیق آنست کہ دریقظہ بود بجسد شریف از مسجد حرام تا مسجد اقصیٰ و از آنجا تا آسمان و از آسمان تا آنجا کہ کہ خدا خواست تا آخر قصہ کہ در احادیث مذکور ست[۲]**۔انتہیٰ۔ملتقطا

یعنی اسرا مسجدِ حرام سے مسجد اقصی تک ہے اور معراج مسجد اقصی سے آسمانوں تک ہے،اور اسرا ثابت ہے آیت کلام مجید سے اور اس کا منکر کافر ہے اور معراج ثابت ہے احادیث مشہورہ سے کہ اس کا منکر گمراہ و بدعتی ہے،اور تحقیق یہ ہے کہ جاگتے میں ہوئی جسم شریف کے ساتھ؛مسجد حرام

---

(۱) تکمیل الایمان از حضرت شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی، ص:۱۲۸، رحیم اکیڈمی، کراچی، ۱۴۲۱ھ

(۲) اشعۃ اللمعات، باب المعراج، ج:۴، ص:۲۸۸، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

سے مسجد اقصیٰ تک اور اس جگہ سے آسمانوں تک اور آسمانوں سے جہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے چاہا، آخر واقعہ تک کہ حدیثوں میں مذکور ہے۔

الحمدللہ عزوجل کہ تین سوالوں کا جوابِ کامل مختصر طور پر ہو گیا، طول کی حاجت نہ پڑی۔

تیسرے سوال کا جواب: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو معراج کو رویائے صالحہ سے تعبیر کیا یعنی اچھے خوابوں سے ایک خواب معراج ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو یہ فرمایا کہ شب معراج حضور کا جسم میرے پاس سے گم نہ ہوا؛ ان دونوں قولوں کا حاصل ایک ہے کہ حضور سراپا نور کو معراج روحانی ہوئی۔اس کے کئی جواب باصواب ہیں:-

اول یہ کہ بر تقدیر صحت روایت؛ احادیثِ کثیرہ واقوالِ کبارِ صحابہ واجماع قرون لاحقہ کے بالمقابل یہ دونوں قول ہم پر کسی طرح حجت نہیں ہوسکتے۔ جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ نے شرح مقاصد جلد:۲، صفحہ:۱۹۳ میں افادہ فرمایا: " تمسك المخالف بما روي عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: "والله ما فقد جسد محمد رسول الله" وعن معاوية: "أنها كانت رويا صالحة" وأنت خبير بأنه على تقدير صحة روايته لا يصلح حجة في مقابلة ما ورد من الأحاديث وأقوال كبار الصحابة وإجماع القرون اللاحقة".

یعنی مخالف نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے تمسک کیا کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم، حضور کا جسم میرے پاس سے گم نہ ہوا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: واقعۂ معراج رویائے صالحہ سے تھا۔ اور تو اس بات پر خبردار ہے کہ یہ روایات بر تقدیر صحت، احادیث اور اقوال کبار صحابہ اور اجماع تابعین کے بالمقابل حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں۔

دوم یہ کہ آپ کو معراج کئی مرتبہ ہوئی، چند بار روحانی اور ایک مرتبہ جسمانی۔

مواہب لدنیہ میں ہے: "قال النووي فی فتاواه: وكان الإسراء به عليه الصلاة والسلام مرتين؛ مرة فی المنام ومرة فی اليقظة، وذكر السهيلي تصحيح هذا المذهب عن شيخه القاضي أبی بكر بن العربي[1]"۔

یعنی امام نووی نے اپنی فتاویٰ میں کہا، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو دو مرتبہ معراج ہوئی؛ ایک مرتبہ خواب میں اور ایک مرتبہ جاگتے میں۔ سہیلی نے اس مذہب کی تصحیح اپنے شیخ قاضی ابو بکر بن عربی سے ذکر فرمائی۔

اشعۃ اللمعات جلد: ۴/ صفحہ: ۵۵۰/ میں ہے: "**یکبار در بیداری بود وبارہاے دیگر در خواب، وآنچہ در نوم بود توطیہ وتمہید آں بود کہ در یقظہ بود تا قوتے واستینا سے باں عالم حاصل گردد۔ چنانکہ در رویاے صادقہ در بدء نبوت ایں نکتہ گفتہ اند، وتحقیق آں ست کہ یکبار در یقظہ بود بجسد شریف**[2]" انتہیٰ۔ ملخصًا

یعنی پایۂ ثبوت کو یہ بات پہنچی کہ ایک بار بیداری میں ہوئی تھی اور کئی بار خواب میں، اور جو معراج خواب میں ہوئی تھی وہ اس کی توطیہ اور تمہید تھی جو جاگتے میں ہوئی تھی تا کہ قوت اور انس پکڑنا اس جہاں کے ساتھ حاصل ہو جائے جیسا کہ بدء نبوت کے رویاے صادقہ میں یہ نکتہ بیان کیا ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ ایک بار جسم شریف سے جاگتے میں ہوئی تھی۔

---

(۱) المواہب اللدنیہ، مصنفہ: امام قسطلانی، مقصد خامس: الإسراء والمعراج، ج:۲، ص:۴۲۸، مطبوعہ مکتبہ توفیقیہ، مصر

(۲) اشعۃ اللمعات، باب المعراج، ج:۴، ص:۲۸۸، سن اشاعت: ۱۲۷۹ھ

جب یہ بات معلوم ہوئی پس حضرت معاویہ وام المؤمنین رضی اللہ عنہما نے متعلقِ معراجِ روحانی بیان فرمایا جو سوتے میں ہوئی نہ بابت جسمانی جو جاگتے میں ہوئی۔ اس میں کس طرح کی منافات نہیں نہ پھیرنا حدیث کا ظاہر سے جو متبادر الی الفہم ہے نہ مخالفتِ احادیث، اور یہ جواب سب جوابوں سے بہتر ہے۔ جیساکہ حاشیۂ خیالی علی **شرح العقائد** مطبوع نو لکشور صفحہ:۴۰۶/ میں ہے:

"قوله: (والمعنى مافقد جسده.اھ) والأولىٰ أن يجاب بأن المعراج كان مكررا مرة بشخصه و مرة بروحه، وقول عائشة رضي الله عنها حكاية عن الثانية[1]".

یعنی بہتر یہ ہے کہ یہ جواب دیا جائے بے شک معراج دو مرتبہ ہوئی: ایک دفعہ جسم کے ساتھ اور ایک مرتبہ روح کو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول حکایت ہے دوسری مرتبہ کی معراج سے جو روحانی ہوئی۔

اسی خیالی کے حاشیہ عبدالحکیم میں ہے: "كان أولىٰ لأنه ليس علىٰ هذا الجواب صرف الحديث عن الظاهر المتبادر إلىٰ الفهم[2]".

یعنی یہ جواب بہتر ہے اس لیے کہ اس جواب پر حدیث کو اس کے ظاہر سے جو فہم کی طرف متبادر ہوتا ہے؛ پھیرنا نہیں ہے۔

شرح فقہ اکبر صفحہ:۱۳۶/ میں دو جواب دیے، پہلا آتا ہے دوسرا یہ ہے: "أو يقال: القضية كانت متعددة، ولذا اختلف في الانتهاء فقيل: إلىٰ الجنة، وقيل: إلىٰ العرش، وقيل: إلىٰ مافوقه

---

(۱) حاشیۂ خیالی علی شرح العقائد، جزو اول، ص:۱۹۴، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ

(۲) حاشیۂ عبدالحکیم علی حاشیۂ خیالی، تابع جزو اول، ص:۳۳۹، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ

وهو مقام "دنافتدلی فکان قاب قوسین أو أدنیٰ" ولا یلزم من تعدد الواقعة فرض الصلاة کل مرة کما توهم ابن القیم معترضاً[۱]".

یعنی کہا جائے واقعۂ معراج کئی دفعہ ہوا، اسی واسطے علما نے انتہاے معراج میں اختلاف کیا، ایک قول ہے جنت تک اور دوسرا قول عرش تک اور تیسرا بالاے عرش تک اور وہ مقام "دنافتدلی" الاٰیہ ہے۔ واقعہ کے کئی مرتبہ ہونے سے ہر مرتبہ نماز کا فرض ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ ابن قیم (امام وہابیہ) نے وہم کر کے اعتراض جمایا۔

شرح قصیدۂ بدء الامالی صفحہ: ۲۴/ میں ہے:"والصحیح أنه کان یقظة ببدنه وروحه لا بمجرد روحه مع أنه عرج به مرات متعددة، وبهذا یجمع بین روایات مختلفة[۲]".

یعنی صحیح یہ ہے کہ بے شک معراج جاگتے میں ہوئی بدن اور روح کے ساتھ نہ تنہا روح کے ساتھ اس لیے کہ آپ کو کئی بار معراج ہوئی اور اسی تعدد معراج کے ذریعے سے مختلف روایتوں کے درمیان جمع وموافقت کی جاتی ہے۔

اقول: اگر صرف ان دونوں قولوں[۳] کی بنا پر مان لیا جائے کہ آپ کو معراج جسمانی نہ ہوئی بلکہ روحانی ہی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے جہاں تک چاہا روح کو پہنچایا تو اولاً غوغا کیوں ہوتا اور کفار اس پر اچنبا کیوں کرتے۔ روح ایک لطیف شئ ہے بحالتِ خواب اس کی سیر مسجد اقصیٰ تک یا آسمانوں اور بہشت اور عرش تک ہونا مستبعد نہیں، اس میں تو کوئی عقلی استحالہ بھی نہیں، اس کو بڑے بڑے حکما

---

[۱] شرح فقہ اکبر، از علامہ علی قاری، ص: ۳۲۳، مطبوعہ دار البشائر، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ

[۲] ضوء المعالی لبدء الامالی از علامہ علی قاری، ص: ۵۲، مطبوعہ دار اللباب

[۳] ایک قول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا۔ ۱۲ منہ

مانتے اور حق جانتے ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر روشن و مبرہن۔ **ثانیاً:** اس میں حضور پر نور کی کوئی خصوصیت نہ رہے گی حالانکہ یہ آپ ہی کے ساتھ خاص۔ اولوالعزم پیغمبروں سے بھی اس فضل و شرف میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نہیں، نفس معراج روحانی تو ہر پیغمبر کو حاصل بلکہ بہت اولیا کو بھی ہوئی بلکہ ہر مؤمن کے لیے ممکن۔ ثبوت سنو! اسی جگہ **اشعۃ اللمعات** میں ہے: **"اگر در منام بودے باعث ایں ہمہ فتنہ و غوغا نمی شد و باعث اختلاف وارتداد نمی گشت، و معراج بجسم از خواص حضرت ختمیت محمدیہ است و مقامے ست مخصوص بوے ﷺ کہ ہیچ یکے از انبیارا جزوے نبودہ وتشریف و تکریم خاص ست از حق سبحانہ بوے، وفہم ایں معنی از حوصلۂ ادراک گرفتارانِ مضیقِ حس و عادت بیروں ست، ایں جا ایمان باید آور دو کیفیت آں بعلم الٰہی تفویض باید نمود، و بحقیقت تمامۂ اطوار نبوت ووحی و معجزات از حیطۂ عقل و قیاس بیروں اند۔ ہر کہ آں را تابعِ قیاس و موقوف فہم ودرکِ عقلِ خود را دارد و گوید کہ تا معقولِ من نشود نمی گردم واعتقاد نمی کنم؛ از نصیبۂ ایمان محروم باشد"**۔

یعنی جو سوتے میں روح کو ہوتی تو ان تمام فتنوں اور شور و غوغا کا باعث اور اختلاف و مرتد ہونے کا سبب نہ ہوتی اور معراج جسمانی حضرت ختمیت محمدیہ علیہ الصلاۃ والسلام کے خواص سے ہے اور آپ کا یہ ایک مقام خاص ہے کہ کسی پیغمبر کا سوائے آپ کے نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ آپ کی خاص بزرگی و تکریم ہے۔ جو لوگ حس و عادت کی تنگی میں گرفتار ہیں ان کے حوصلۂ ادراک وفہم سے یہ معنی باہر ہیں۔ اس جگہ ایمان لانا چاہیے اور اس کی کیفیت علم الٰہی کی طرف سونپنا چاہیے، حقیقت میں تمام اطوارِ نبوت ووحی و معجزات احاطۂ عقل و قیاس سے باہر ہیں، جو کوئی ان کو قیاس کے

تابع جانتا اور اپنی عقل کے سمجھنے اور دریافت کرنے پر موقوف رکھتا اور کہتا ہے جب تک میری عقل میں نہ آئے گا اعتقاد نہ کروں گا، وہ شخص نصیبۂ ایمان سے محروم ہے۔ انتہیٰ۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی صفحہ: ۳۰/ میں ہے: **"ارواح مومناں در خواب عروج می کنند تا عرش، ظاہر اَمر اد ارواح مؤمنا ن کاملان انداز انبیا و اولیا۔ چہ شیاطین را در خوابہاے انبیا دخل ممکن نیست، خوابہاے شان داخل وحی ست و عروج ارواح اولیا تا فوق آسمانہا می شود، خوابہاے شان اکثر صادق می باشد، وچوں عروجِ ارواح عوام بالاے آسمانہا نباشد؛ خوابہاے شان اکثر اباطیل می باشد۔ در خوابہاے اولیا کہ از زیر آسمان بینند گاہے خلط شیاطین میں شود۔ از علی رضی اللہ عنہ روایت کردہ شدہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود: "مرد یازن چوں خواب می کند؛ روح او بسوے عرش صعود می کند و آنجا و در آسمانہا آنچہ در خواب می بیند آں خواب صادق می باشد وچوں از آنجا باز می آید و زیر آسمانہا می بیند، شیاطین در ہوا ملاقات می کنند و دروغ می گویند، آں خواب کاذب می باشد"۔ وبیہقی از عبد اللہ بن عمرو بن العاص روایت کردہ کہ ارواح می رود بسوے آسمان وامر کردہ می شود بسجود نزدِ عرش، پس ہر کہ پاک می باشد سجدہ می کند نزدِ عرش و ہر کہ پاک نباشد سجدہ می کند بعید از عرش"۔ وابن مبارک از ابی الدرداء روایت کردہ کہ "روحِ آدمی در خواب عروج می کند بسوے عرش، پس ہر کہ پاک می باشد اذن می شود او را بسجود و اگر مجنب باشد اذن نکردہ شود بسجود[1]۔**

یعنی خواب میں مومنوں کی روحیں عرش تک چڑھتی ہیں، عرش تک چڑھنے میں ظاہر اً کامل مومنوں کی روحیں انبیا و اولیا سے مراد ہیں اس لیے کہ شیطانوں کو انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کے

---

[1] تذکرۃ الموتی والقبور (قلمی) از قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۷۴، گنج بخش لائبریری، پاکستان

خوابوں میں دخل ممکن نہیں، لہذا ان کے خواب داخل وحی ہیں۔ اور اولیا کی روحوں کو آسمانوں کے اوپر تک عروج ہوتا ہے، ان کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں۔ اور عوام کی روحوں کو جو آسمانوں کے اوپر چڑھنا نہیں ہوتا، لہذا ان کے خواب اکثر باطل ہوتے ہیں۔ ولیوں کے خواب جو آسمان کے نیچے دیکھتے ہیں کبھی شیطانوں کا ان میں خلط ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد یا عورت جب سوتی ہے اس کی روح عرش کی طرف چڑھ جاتی ہے اور اس جگہ اور آسمانوں میں جو کچھ خواب میں دیکھتی ہے وہ خواب سچا ہوتا ہے اور جو وہاں سے لوٹ کر آتی ہے اور آسمانوں کے نیچے خواب دیکھتی ہے، شیاطین ہوا میں ملاقات کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں، وہ خواب جھوٹا ہوتا ہے۔ اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ مومنوں کی روحیں آسمانوں کی طرف جاتی ہیں اور عرش کے نزدیک سجدہ کرنے کا حکم کی جاتی ہیں، پس جو پاک رہتی ہے عرش کے نزدیک سجدہ کرتی ہے اور جو پاک نہیں رہتی وہ عرش سے دور سجدہ کرتی ہے۔ اور ابن مبارک نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ مسلمانوں کی روحیں خواب میں عرش کی طرف عروج کرتی ہیں، پس جو پاک رہتی ہے اس کو سجدے کا حکم ہوتا ہے اور جو حالتِ جنابت میں ہوتی ہے اسے سجدے کے لیے اجازت نہیں دی جاتی۔ انتہیٰ۔

بکمال وضوح معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول معراج روحانی کے ساتھ مختص ہے، معراج جسمانی کے انکار کی گنجائش نہیں، اس کی نفی کسی طرح نہیں ہو سکتی ورنہ بڑی بڑی خرابیاں لازم آئیں گی، بڑے بڑے اعتراض پیش آئیں گے جو ٹالے نہ ٹلیں گے۔ ان دونوں کا یہ فرمان بجائے خود حق و صحیح، اس سے معراجِ جسمانی کا انکار کسی طرح ثابت نہیں ہوتا، وھذا ھو المطلوب.

سوم: قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معراج جسمانی کے انکار سے کوئی علاقہ نہیں، یہ معراج اوائلِ بعثت میں ہوئی جب وہ پیدا بھی نہ ہوئی تھیں، پھر قسم کھا کر فرمانا اور اپنی رویت بیان کرنا کہ آپ کا جسم معراج کی رات میرے پاس سے گم نہیں ہوا- کیسے صحیح و درست ہو سکتا ہے؟

شرح فقہ اکبر میں وہیں پر ہے:"والتاویل الصحیح أن المعراج كان بمكة في أوائل البعثة حين لم تولد عائشة رضي الله عنها[1]".

یعنی اور تاویل صحیح یہ ہے کہ بے شک معراج مکہ معظمہ میں اوائل بعثت میں ہوئی تھی جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا بھی نہ ہوئی تھیں۔

چوتھے سوال کا جواب: اس میں صحابہ و تابعین کا بہت کچھ اختلاف ہے، یہ بحث طول کو چاہتی ہے اور منظور اختصار، لہذا اول ایک مختصر تقریر **اشعۃ اللمعات** سے ایسی لکھوں جس میں بقدر ضرورت کام چل جائے پھر دو تین تفسیروں وغیرہ سے بیان میں قدرے توضیح دوں۔

اسی کی جلد:۴/ صفحہ:۴۵۵/ میں ہے:" **از آں چہ گزشتہ معلوم شد کہ در رویت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پروردگار تعالٰی وتقدس در شب معراج بچشم سر صحابہ را اختلاف ست، عائشہ رضی اللہ عنہا نفی آں می کند وابن عباس رضی اللہ عنہما اثبات آں می نماید، وباہر یکے از ایشاں جماعۂ اند از صحابہ موافق وبعد از صحابہ؛ تابعین ومن بعد ہم نیز بر طریقۂ اختلاف رفتہ وبعضے توقف کردہ وگفتہ: بر ہیچ جانب دلیل واضح نیست، ولیکن جمہور بجانب اثبات اند وشیخ محی الدین نووی گفتہ: راجح ومختار نزد اکثر علماے کبار آں ست کہ آں حضرت دید پروردگار خود را بچشم سر وگفتہ کہ اثبات آں جز بسماع از پیغمبر علیہ الصلاۃ**

---

[1] شرح فقہ اکبر، از علامہ علی قاری، ص:۳۲۳، مطبوعہ دار البشائر، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ

والسلام راست نیابد، وعائشہ در انکار آں تمسک بحدیث نکردہ وچیزے بسماع از حضرت روایت نہ نمودہ بلکہ آں استنباطے واجتہادے ست ازوےؓ بقول حق سبحانہ "وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ" وقول وے سبحانہ "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَار" وجوابش آں ست کہ منفی در آیت اولیٰ کلام در حالتِ رویت ست واما نفیِ رویت بے کلام لازم نباید، وادراک احاطہ است واز نفیِ احاطہ نفیِ مطلق رویت مفہوم نہ گردد، وبعضے از علما گفتہ اند کہ اعتماد دریں باب بر قول ابن عباس ست ومتعین ست کہ وے ایں قول راجز بسماع از حضرت نبوت نگفتہ وروا نباشد کہ ایں چنیں قول عظیم را بظن واجتہاد گوید، وابن عمرؓ دریں مسئلہ مراجعت بوے کردہ وازوے پرسیدہ کہ "هل رأىٰ محمد ربه" پس وے گفت: رآہ، پس ابن عمر تسلیم نمودہ وقطعاً براہِ تردد وانکار نرفتہ، وعمر بن راشد گفتہ کہ عائشہ نزدِ ما اعلم از ابن عباس نیست[1]۔ انتہیٰ۔ ومختار اکثر از مشائخ صوفیہ نیز ثبوت رویت ست۔انتھیٰ بقدر الضرورة.

یعنی جو کچھ گزرا اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج حضور پر نور کے پروردگار تعالیٰ شانہ کو سر کی آنکھ سے دیکھنے میں صحابہؓ کا اختلاف ہے، حضرت عائشہؓ اس کا انکار فرماتی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ اس کو ثابت فرماتے ہیں اور دونوں کے ساتھ صحابہ کی ایک ایک جماعت ہے موافقت میں اور صحابہ کے بعد تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین بھی اختلاف کے طریقے پر چلے آئے اور بعضوں نے توقف کیا اور کسی جانب نہ ہوئے اور کہا کہ کسی طرف واضح دلیل نہیں اور اکثر اثبات کی طرف ہیں اور شیخ محی الدین نووی نے کہا: راجح ومختار اکثر علمائے کبار کے نزدیک یہ ہے کہ

---

[1] اشعۃ اللمعات، باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ، ج:۴، ص:۲۳۲، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

حضور پر نور نے اپنے پروردگار کو چشمِ سر سے دیکھا اور انھیں شیخ علیہ الرحمہ نے کہا کہ اثباتِ رویت سوائے حضور سے سننے کے راست و درست نہ آئے گا اور حضرت عائشہ نے اس کے انکار میں حدیث کے ساتھ تمسک نہ کیا اور کچھ بھی حضور سے سنا ہوا روایت نہ کیا بلکہ جو کچھ انہوں نے فرمایا، وہ ان کا استنباط واجتہاد ہے ارشادِ الٰہی: ”وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ“ سے (اور نہیں ہے واسطے کسی بشر کے یہ کہ کلام کرے اس سے اللہ تعالیٰ مگر بطور وحی کے یا پیچھے سے پردے کے) اور اس ارشاد سے: ”لَاْ تُدْرِكُهُ الْأَبْصَار“ (نہیں ادراک کر سکتی ہیں اس کو بینائیاں) اور جواب اس کا یہ ہے کہ وہ چیز جو نفی کی گئی ہے آیت اولیٰ میں؛ کلام حالتِ رویت میں ہے لیکن اس سے بے کلام کے نفی رویت کی لازم نہیں آتی اور ادراک احاطہ ہے اور احاطے کی نفی سے مطلق رویت کی نفی مفہوم نہیں ہوتی اور بعض علما نے کہا ہے کہ اس باب میں قول حضرت ابن عباس پر اعتماد ہے اور یہ بات متعین ہے کہ انھوں نے اس قول کو حضور ﷺ سے سنے بغیر نہ کہا اور جائز نہیں کہ ایسے بڑے قول کو گمان و اجتہاد سے کہتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلے میں حضرت ابن عباس کی طرف مراجعت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انہوں نے پوچھا: کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے کہا ہاں! دیکھا۔ پس ابن عمر نے تسلیم کر لیا اور قطعاً راہ تردد و انکار پر نہ گئے۔ عمرو بن راشد نے کہا کہ حضرت عائشہ ہمارے نزدیک حضرت ابن عباس سے زیادہ جاننے والی نہیں۔ انتہیٰ۔ اور اکثر مشائخِ صوفیہ کا بھی مختار یہی ہے کہ رویت ثابت ہے۔ انتہیٰ۔

معالم التنزیل میں تحت آیت "مَاكَذَبَ الْفُؤَادُمَارَاٰى" ہے:"وذهب جماعة إلىٰ أنه راٰه بعينه[1]"۔

یعنی ایک جماعت اس طرف گئی کہ بے شک آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔

روح البیان صفحہ:۱۴۸/ میں ہے:" في كشف الأسرار:قال بعضهم: راٰه بقلبه دون عينه، وهذا خلاف السنة، والمذهب الصحيح أنه عليه الصلاةوالسلام راٰ ربه بعين رأسه[2]".

یعنی کشف الاسرار میں ہے کہ بعض علمانے کہا حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا نہ اپنی آنکھ سے، اور یہ خلاف حدیث ہے اور صحیح مذہب یہ ہے کہ بے شک آپ ﷺ نے اپنے رب کو اپنی چشمِ سر سے دیکھا۔ انتہیٰ۔

پس صاف واضح ہوا کہ حضور پر نور نے شب معراج اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا، یہی مذہب جمہور کا ہے، یہی مختار، یہی صحیح ہے۔

کلام سرمدی بے نقل بشنید
خداوندِ جہاں را بے جہت دید[3]

---

[1] تفسیر معالم التنزیل (تفسیر بغوی) از امام ابو محمد حسین بن مسعود فرّا، زیر آیت: "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى" سورۂ والنجم، ج:۴، ص:۳۰۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۰ھ

[2] تفسیر روح البیان، جلد:۹، ص:۲۲۲، زیر آیت: "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ؛ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" سورۂ والنجم، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

[3] ترجمہ: انہوں نے کلام ازلی کو براہ راست سنا اور رب کائنات کو بے جہت کے دیکھا۔

دراں دیدن کہ حیرت حاصلش بود
دلش در چشم وچشمش در دلش بود[1]

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توضیح مطلوب وسرورِ قلوب کے خیال سے حدیث معراج **بخاری و مسلم** کو سلسلۂ تحریر میں لاؤں پھر اس کا صاف صاف ترجمہ مع حلِ مطالب سناؤں اور حل مطالب **اشعۃ اللمعات** سے کروں، جس مضمون کا حل دوچار لفظوں میں ہوتا ہو اس کو قوسین میں اندر ہی لکھوں اور جو زیادہ عبارت کو چاہے اس کو بطور حاشیہ تحریر کروں، وہ حدیث جلیل یہ ہے:-

"عن قتادة عن أنس بن مالك عن مالك بن صعصعة أن نبي الله صلى الله عليه و سلم حدثهم ليلة أسري به:-بينما أنا في الحطيم-وربما قال في الحجر-مضطجعا إذ أتاني آت، فشق مابين هذه إلى هذه يعني من ثغرة نحره إلى شعرته، فاستخرج قلبي، ثم أتيت بطست من ذهب مملوء إيمانا، فغسل قلبي ثم حشي ثم أعيد-وفي رواية:ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئ إيمانا وحكمة-ثم أتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار أبيض يقال له:البراق، يضع خطوه عند أقصى طرفه، فحملت عليه، فانطلق بي جبريل حتى أتى السماء الدنيا، فاستفتح، قيل:من هذا ؟ قال:جبريل. قيل:ومن معك ؟ قال:محمد. قيل:وقد أرسل إليه؟ قال:نعم. قيل:مرحبا به، فنعم المجيء جاءٍ، ففتح، فلما خلصت، فإذا فيها آدم، فقال:هذا أبوك آدم، فسلم عليه، فسلمت عليه، فرد السلام ثم قال:مرحبا بالابن الصالح والنبي الصالح، ثم صعد بي حتى السماء الثانية فاستفتح، قيل:من هذا ؟

---

[1] ترجمہ: اس دید میں قابل حیرت یہ تھا کہ ان کا دل آنکھ میں اور آنکھ دل میں رکھ دی گئی تھی۔

قال:جبريل. قيل:ومن معك ؟ قال:محمد. قيل:وقد أرسل إليه ؟ قال:نعم. قيل:مرحبا به، فنعم المجيء جاءٍ، ففتح . فلما خلصت إذا يحيى وعيسى وهما ابنا خالة. قال: هذا يحيى وهذا عيسى، فسلم عليهما، فسلمت فردا ثم قالا:مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح . ثم صعد بي إلى السماء الثالثة فاستفتح، قيل:من هذا؟ قال:جبريل. قيل:ومن معك؟ قال:محمد.قيل:وقد أرسل إليه؟ قال:نعم. قيل: مرحبا به، فنعم المجيء جاءٍ، ففتح، فلما خلصت إذا يوسف، قال:هذا يوسف، فسلم عليه، فسلمت عليه، فرد ثم قال:مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح. ثم صعد بي حتى أتى السماء الرابعة فاستفتح، قيل:من هذا؟ قال:جبريل. قيل:ومن معك؟ قال:محمد. قيل:وقد أرسل إليه؟ قال:نعم. قيل:مرحبا به، فنعم المجيء جاءٍ، ففتح، فلما خلصت فإذا إدريس، فقال:هذا إدريس، فسلم عليه، فسلمت عليه، فرد ثم قال:مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح. ثم صعد بي حتى أتى السماء الخامسة فاستفتح، قيل:من هذا؟ قال:جبريل. قيل:ومن معك؟ قال:محمد. قيل:وقد أرسل إليه؟ قال:نعم. قيل:مرحبا به، فنعم المجيء جاءٍ، ففتح، فلما خلصت، فإذا هارون، قال:هذا هارون، فسلم عليه، فسلمت عليه، فرد ثم قال:مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح. ثم صعد بي إلى السماء السادسة فاستفتح، قيل:من هذا؟ قال:جبريل. قيل:ومن معك؟ قال:محمد.قيل:وهل أرسل إليه؟ قال:نعم. قال:مرحبا به، فنعم المجيء جاءٍ، فلما خلصت، فإذا موسى، قال:هذا موسى، فسلم عليه، فسلمت عليه، فرد ثم قال:مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح، فلما جاوزت بكى، قيل:ما يبكيك؟ قال:أبكي لأن غلاما بعث بعدي يدخل الجنة من أمته أكثر ممن يدخلها من أمتي، ثم صعد

بي إلى السماء السابعة فاستفتح جبريل، قيل:من هذا؟ قال:جبريل. قيل:ومن معك؟ قال:محمد. قيل:وقد بعث إليه ؟ قال:نعم. قيل:مرحبا به، فنعم المجيء جاءٍ، فلما خلصت، فإذا إبراهيم، قال:هذا أبوك إبراهيم، فسلم عليه، فسلمت عليه، فرد السلام ثم قال : مرحبا بالابن الصالح والنبي الصالح. ثم رفعت إليّ سدرةُ المنتهى، فإذا نبقها مثل قلال هجر وإذا ورقها مثل آذان الفيلة، قال:هذا سدرة المنتهى، فإذا أربعة أنهار : نهران باطنان ونهران ظاهران . قلت : ما هذان يا جبريل ؟ قال : أما الباطنان فنهران في الجنة، وأما الظاهران فالنيل والفرات ثم رُفِعَ لي البيتُ المعمور ثم أتيت بإناء من خمر وإناء من لبن وإناء من عسل، فأخذت اللبن، فقال:هي الفطرة أنت عليها وأمتك، ثم فرضت علي الصلاة خمسين صلاةً كُلَّ يوم، فرجعت، فمررت على موسى، فقال:بما أمرت؟ قلت:أمرت بخمسين صلاة كل يوم. قال:إن أمتك لا تستطيع خمسين صلاةً كُلَّ يوم، وإني والله قد جربت الناس قبلك وعالجت بني إسرائيل أشد المعالجة، فارجع إلى ربك، فسله التخفيف لأمتك، فرجعت، فوضع عني عشرا، فرجعت إلى موسى، فقال مثله، فرجعت، فوضع عني عشرا، فرجعت إلى موسى، فقال مثله، فرجعت، فوضع عني عشرا، فرجعت إلى موسى، فقال مثله، فرجعت، فوضع عني عشرا، فأمرت بعشر صلوات كُلَّ يوم، فرجعت إلى موسى، فقال مثله، فرجعت، فأمرت بخمس صلوات كل يوم فرجعت إلى موسى فقال : بما أمرت؟ قلت : أمرت بخمس صلوات كُلَّ يوم. قال:إن أمتك لا تستطيع خمس صلوات كُلَّ يوم وإني قد جربت الناس قبلك وعالجت بني إسرائيل أشد المعالجة، فارجع إلى ربك، فسله التخفيف لأمتك، قال:سألت ربي حتى استحييت ولكني أرضى

وأسلم. قال:فلما جاوزت نادى مناد:أمضيت فريضتي وخففت عن عبادي[1] .متفق عليه." (مشکوٰۃ شریف صفحہ:۵۱۸)

یعنی روایت ہے قتادہ سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ بے شک نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ سے اس رات کے حال سے بیان فرمایا جس میں آپ کو اٹھایا گیا تھا، (فرمایا) کہ میں حطیم [۲] میں تھا اور کبھی راوی روایت کے وقت یوں فرماتے کہ میں حِجر [۳] میں تھا اس حال میں کہکروٹ کے بل سو رہا تھا، پس آیا میرے پاس ایک آنے والا (مراد حضرت جبریل ہیں) پھر یہاں سے یہاں تک کے درمیان حصے کو شق کیا یعنی سینے کے اوپر سے ناف کے نیچے تک پھر میرا دل نکال لیا پھر میرے پاس ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لایا گیا پھر میرا دل ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا پھر دل لوٹا دیا گیا (اور اپنی جگہ میں رکھ دیا گیا) اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ پھر آب زمزم سے میرا شکم دھویا گیا پھر ایمان وحکمت سے بھرا گیا، پھر میرے پاس ایک سواری لائی گئی جو قد میں خچر سے کم اور گدھے سے اونچی تھی اور سفید تھی، اس

---

[1] مشکاۃ المصابیح، باب المعراج، فصل اول، ص:۵۲۹، مطبوعہ مجلس برکات، مبارکپور

[۲] حطیم ایک دیوار کا ٹکڑا باہر خانہ کعبہ کے مغرب کی جانب ہے، اسی کی طرف میزاب رحمت ہے یعنی پرنالہ سقف کعبہ کا ہے۔ وہ زمانۂ ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم میں داخلی کعبہ مکرمہ تھی، زمانۂ جاہلیت میں وہ بیت اللہ سے خارج کی گئی اور دوسری دیوار اندر ہی بنائی گئی، چونکہ حطیم اور اس دیوار کے درمیان جو جگہ ہے وہ داخل بیت اللہ ہے، لہذا آدمی حطیم کے باہر طواف کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[۳] حجر بالکسر حطیم کا نام ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میں ام ہانی کے گھر تھا، اس کے سوا اور بھی روایتیں آئیں ہیں۔ ۱۲ منہ

سواری کو براق کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے قدم کو کو منتہاے نظر (۱) پر رکھتا تھا پھر اس پر میں سوار (۲) کیا گیا پھر مجھ کو جبرئیل لے گئے یہاں تک کہ آسمان (۳) دنیا تک آئے (جو سب سے نیچے کا آسمان ہے) پھر آسمان کا دروازہ کھولنا چاہا۔ کہا گیا: (یعنی آسمان کے دربانوں نے کہا اور پوچھا) یہ کون ہے؟ کہا: میں جبرئیل ہوں۔ کہا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: محمد ہیں۔ کہا گیا (بطریق استفہام) کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: ہاں، (۴) کہا گیا: مرحبا خوش آمدید، پھر آسمان کا

---

(۱) جو کوئی زمین پر ہے اس کی نظر آسمان پر پڑتی ہے ہے تو ایک قدم میں زمین سے آسمان پر پہنچا اور سات قدم میں ساتوں آسمان کو طے کر ڈالا، بعض علماے محققین نے یہی فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) اس عبارت میں یہ اشارہ ہے کہ حضور کا براق پر سوار ہونا محض اعانت الٰہی اور اس کی قدرت سے تھا، اور ممکن ہے کہ کہا جائے: براق پر آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سوار کیا اپنی قوت ملکوتی سے، اس جگہ اس کہنے میں کوئی دوری و دشواری نہیں اس لیے کہ حضرت جبرئیل فیض الٰہی کے پہنچانے اور حضور پر وحی کے لانے میں واسطہ تھے اور یہ ایک طرح کی خدمت ہے جو خادم بادشاہوں کی کرتے ہیں اور حضرت جبرئیل اس رات نوکر دولت علیہ اور چوبدار سلطان بریہ کے تھے، اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل حضور کی رکاب پکڑے ہوئے تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں براق کی باگ تھی۔ ۱۲ منہ

(۳) اس حدیث میں اسرا کا قصہ وواقعہ طے کر دیا اور یہیں سے بعضے گمان لے گئے ہیں کہ معراج غیر شب اسرا میں ہوئی اور یہ اس پر دلالت رکھتا ہے کہ سواری آسمانوں تک تشریف لانے میں تھی اور بعضے گمان لے گئے کہ مسجد اقصیٰ پہنچنے کے بعد سیڑھی رکھی گئی، آپ اس پر چڑھ کر آسمانوں پر پہنچے، اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو حضرت جبرئیل نے اپنے بازو پر اٹھایا اور آسمانوں تک لے گئے۔

(۴) بعضوں نے کہا کہ سوال اس بات سے ہے کہ آیا آپ مبعوث ہوئے اور آپ کی طرف وحی بھیجی گئی۔ یہ قول محل تامل و قابل غور ہے، اس لیے کہ امر بعثتِ حضور عالم ملکوت میں مشہور تھا پھر اس سے سوال کیسا؟ اور اول قول بھی (یعنی محمد جو تمہارے ساتھ آئے ہیں تو طلب کیے ہوئے آئے ہیں یا خود بخود) ضعف سے خالی نہیں، اس لیے کہ معلوم ہے کوئی شخص بے اذن و امر الٰہی ہمراہ جبرئیل کے آسمانوں پر نہ آئے گا۔ اور بہتر قول یہ ہے کہ آسمانوں کے دربانوں کا سوال حضور کے عروج و پیشوائی پر تعجب اور بشارت وخوش خبری دینے کے طور پر تھا اور یہ قول ظاہر تر اور بہتر اور عجیب تر اور بعد والے قول کے زیادہ مناسب اور موافق ہے۔ ۱۲ منہ

دروازہ[1] کھول دیا گیا۔ پھر جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو ناگاہ اس میں آدم ہیں، جبرئیل نے کہا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں؛ ان کو سلام[2] کیجئے، پس میں نے ان کو سلام کیا۔ آدم نے جوابِ سلام دیا پھر کہا: مرحبا! پسر صالح[3] اور نبی صالح کو، پھر جبرئیل مجھ کو اوپر لے گئے اور دوسرے آسمان تک پہنچے پھر جبرئیل نے آسمان کا دروازہ کھولنا چاہا۔ کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبرئیل ہوں۔ کہا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: محمد ہیں۔ کہا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا، کیا اچھا آنا آئے، پس دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر جب میں دوسرے آسمان پر پہنچا؛ ناگاہ یحیٰ

---

[1] قرآن شریف اور حدیثیں اس پر ناطق ہیں کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ بعض علما نے کہا کہ وہ دروازے محاذی و مقابل بیت المقدس کے ہیں، اور فلاسفہ کا قول دروازوں کے بطلان پر ہے، وہ کہتے ہیں کہ خرق والتیام آسمانوں کا باطل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قدرت پروردگار کی سب کو شامل ہے اور آسمان بھی اور اجسام کے مثل ایک جسم ہیں اور سب جسم قابل خرق والتیام یعنی پھٹنے اور بھرنے کے قابل ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] علما نے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرئیل کا حضور کو انبیا پر سلام کی پیش قدمی پر عرض کرنا بسبب تعلیمِ تواضع اور انبیا پر شفقت کے طور پر تھا اور جو کچھ جبرئیل عرض کرتے تھے وہ ضرور حق تعالیٰ کی جانب سے کہتے تھے۔ جب حضور ایسے بلند واعلیٰ مقام میں پہنچے تھے کہ اس سے بڑھ کر ممکن و متصور نہیں، موقع اسی کا تھا کہ تواضع فرماتے اور مہربانی سے پیش آتے۔ علماے کرام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضور جو چلنے ہی پر تیار تھے، حکم میں کھڑے ہونے والے کے تھے اور انبیا اپنے مقام میں ثابت و برقرار تھے، حکم بیٹھنے والے کا رکھتے تھے اور کھڑا سلام کرتا ہے بیٹھے پر اگرچہ اس سے بزرگ ہو۔ ۱۲ منہ

[3] جتنے پیغمبر کہ اس حدیث میں مذکور ہیں سبھی نے حضور کی صفت صلاح کے ساتھ فرمائی۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلاح بہت بڑا مرتبہ اور بہت بلند مقام ہے، پروردگار نے بھی کلام مجید میں صلاح کے ساتھ انبیا کا وصف فرمایا کہ "وَكُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ" (اور ہر ایک صالحین سے تھا) "وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ" (اور ہر ایک کو ہم نے صالح کیا)۔ ۱۲ منہ (سَلِمَه المولیٰ الواهب وحفظه عن جميع المصائب)

وعیسیٰ (یہ دو پیغمبر کھڑے) ہیں اور یہ دونوں آپس میں خالہ[1] زاد بھائی ہیں۔ جبرئیل نے کہا: یہ یحیٰ اور عیسیٰ ہیں، ان دونوں کو سلام کیجیے۔ پس میں نے سلام کیا۔ ان دونوں نے جوابِ سلام دیا، پھر یحیٰ اور عیسیٰ نے کہا: مرحبا! برادر صالح اور نبی صالح کو۔ پھر جبرئیل مجھ کو اوپر تیسرے آسمان کی طرف لے گئے اور اس کا دروازہ کھولنا چاہا۔ کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبرئیل ہوں۔ کہا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: محمد ہیں۔ کہا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا ان کو، کیا اچھا آنا آئے، پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر جب میں تیسرے آسمان پر پہنچا؛ ناگاہ یوسف (کھڑے) ہیں۔ جبرئیل نے کہا: یہ یوسف ہیں، ان کو سلام کیجیے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جوابِ سلام دیا، پھر یوسف نے کہا: مرحبا! بھائی صالح اور پیغمبر صالح کو، پھر جبرئیل مجھ کو اوپر لے گئے اور چوتھے آسمان تک آئے، پس اس کا دروازہ کھولنا چاہا۔ کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبرائیل ہوں۔ کہا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: محمد ہیں۔ کہا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا ان کو، کیا اچھا آنا آئے، پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ پس جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا؛ ناگاہ ادریس (کھڑے) ہیں۔ جبرئیل نے کہا: یہ ادریس ہیں، ان کو سلام کیجیے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جوابِ سلام دیا، پھر ادریس نے کہا: مرحبا! برادرِ[2] صالح اور نبی

---

[1] اس لیے کہ حضرت مریم کی بہن حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں تھی، اس نسبت سے حضرت زکریا حضرت مریم کی کفالت فرماتے تھے اور حضرت زکریا کے بیٹے حضرت یحیٰ ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] اگر چہ حضرت ادریس علیہ السلام آپ کے باپ ہوتے ہیں لیکن پیغمبر آپس میں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں، چونکہ ابوت (یعنی باپ ہونا) حضرت آدم و حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہما الصلاۃ والتسلیم کی مشہور تر وروشن تر تھی، لہٰذا ان دونوں نے الإبن الصالح یعنی صالح بیٹا کہا۔ ۱۲ منہ

صالح کو، پھر جبرئیل مجھ کو اوپر لے گئے اور پانچویں آسمان تک آئے اور دروازہ کھولنا چاہا۔ کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبرائیل ہوں۔ کہا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: محمد ہیں۔ کہا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا! ان کو، پس کیا اچھا آنا آئے، پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ پس جب میں پہنچا؛ ناگاہ ہارون ہیں۔ جبرئیل نے کہا: یہ ہارون ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ پس میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جوابِ سلام دیا، پھر کہا: مرحبا! بھائی صالح اور نبی صالح کو، پھر جبرئیل مجھ کو اوپر لے گئے اور چھٹے آسمان تک آئے، پھر دروازہ کھولنا چاہا۔ کہا گیا: کون ہے یہ؟ کہا: جبرائیل ہوں۔ کہا گیا: اور کون ہے تمہارے ساتھ؟ کہا: محمد۔ کہا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا! ان کو، کیا اچھا آنا آئے، پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر جب میں پہنچا؛ ناگاہ موسیٰ (کھڑے) ہیں۔ پس جبرئیل نے کہا: یہ موسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جوابِ سلام دیا، پھر کہا: مرحبا! برادرِ صالح اور نبی صالح کو۔ پھر جب میں نے وہاں سے تجاوز کیا (اور چل کھڑا ہوا) تو موسیٰ روئے، ان سے کہا گیا: کس چیز نے تم کو رلایا؟ (اور تمہارے رونے کا سبب کیا ہے؟) موسیٰ نے کہا: اس سبب سے روتا[1] ہوں کہ ایک لڑکا جو میرے بعد بھیجا گیا

---

[1] علما نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا حسد کے سبب سے نہ تھا کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کی امت کی فضیلت وبزرگی پر حسد لے گئے ہوں، اس لیے کہ حسد ہر مؤمن سے مذموم وقبیح ہے اور اُس جہاں میں تو حسد نکال دیا گیا ہے، پس اس سے کیوں کر وقوع میں آئے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور برگزیدہ کیا اور اس سے کلام کیا اور اس سے راز کہا بلکہ رونا ان کا اس سبب سے تھا کہ وہ اجر جس پر بلندئ درجات کا ترتب ہوتا، وہ ان سے جاتا رہا اس لیے کہ ان کی امت سے احکام کی تعلیم میں بکثرت مخالفت واقع ہوئی جو ان کے اجر کی کمی کا سبب ہوا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمی اجر کو مستلزم ہے، اس لیے کہ ہر پیغمبر کو اجر اس شخص کا ہے جس نے اس کی پیروی کی۔ اور بعضوں نے کہا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے اپنی امت پر رقت اور شفقت پر محمول ہے بسبب اس کے کہ ان کی متابعت سے اس قدر منتفع نہ ہوئے جتنی یہ امت مرحومہ اپنے پیغمبر کی تابعداری سے نفع پانے والی ہوئی

ہے، ان کی امت سے بہشت میں بنسبت اس کے کہیں زیادہ داخل ہوں گے جتنے میری امت کے لوگ اس میں داخل ہوں گے۔ پھر جبرئیل میرے ساتھ ساتویں[1] آسمان کی طرف چڑھے، پس جبرئیل نے دروازہ کھلوایا، کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبرائیل ہوں۔ کہا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد۔ کہا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا! ان کو، کیا اچھا آنا آئے، پھر جب میں ساتویں پر آسمان پہنچ گیا تو ناگاہ ابراہیم (کھڑے) ہیں۔ جبرئیل نے کہا: یہ آپ کے باپ ابراہیم ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ پس میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جوابِ سلام دیا، پھر کہا: مرحبا! ابن

اور اُن کی کثرت اِس امت کی کثرت کے بالمقابل نہ پہونچی اور بے شک پیغمبروں کے دلوں میں اپنی امتوں پر رافت اور مہربانی اور رحمت وشفقت اس سے زیادہ رکھی گئی ہے جو دوسروں میں رکھی گئی ہے، لہذا موسیٰ علیہ السلام اپنی امت پر بوجہ شفقت اس ساعت میں روئے جو افضال اور جود وکرم کا وقت ہے، شاید حق تعالیٰ اس گھڑی کی برکت سے ان پر رحم فرمائے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر خوشی داخل کرنا تھا اس بات سے کہ آپ کے تابع دار بہت ہیں اور جنت میں بنسبت اور امت والوں کے زیادہ داخل ہوں گے لیکن حضرت موسیٰ کا قول کہ ''ایک لڑکا بھیجا گیا ہے میرے بعد'' حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی تنقیص وشان کی کمی کی بنا پر نہیں بلکہ پروردگار کی قدرت کی تعظیم وبلندی اور اس کے فضل وکرم کی بڑائی تھی باعتبار اس کے کہ حضور کی یہ کم سنی اور وہ عطائے ربی کہ جو کچھ ان کو عطا ہوا وہ باوجود کبر سنی کے اگلے پیغمبروں کو نہ دیا گیا اور آپ کی جماعتِ اُمت کی اکثریت باعتبار اور امتوں کے ہے۔ اور کبھی غلام یعنی لڑکا کہتے ہیں اور مراد قوی، طرب اور جوان لیتے ہیں اگرچہ سنِ کُہولت میں یعنی ادھیڑ ہو، اسی واسطے اہل مدینہ حضور کو شاب یعنی جوان کہتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو باوجودیکہ حضور سے صغیر سن تھے مگر پیر کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

[1] یہ ترتیب جو اس حدیث میں واقع ہوئی اصح وارجح الروایات ہے، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم کو چھٹے آسمان پر اور حضرت موسیٰ کو ساتویں پر دیکھا اور ایک روایت میں حضرت ادریس کو تیسرے پر اور حضرت ہارون کو چوتھے پر معاینہ کیا اور ایک روایت میں حضرت ادریس کو پانچویں پر اور حضرت یوسف کو دوسرے پر اور حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ کو تیسرے پر دیکھا۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام۔ ۱۲ منہ

صالح اور نبی صالح کو، پھر میں سدرۃ المنتہٰی (۱) کی طرف اٹھایا گیا تو ناگاہ اس کے بیر ہجر (۲) کے مٹکوں مانند ہیں اور ناگاہ اس کے پتے مثل ہاتھیوں (۳) کے کانوں کے ہیں۔ جبرئیل (۴) نے کہا: یہ سدرۃ المنتہٰی ہے۔ پس ناگاہ وہاں چار نہریں ہیں: دو نہریں باطن اور دو ظاہر۔ میں نے کہا: اے جبرئیل! کیا ہیں یہ دو نہریں ظاہر اور دو باطن؟ جبرئیل نے کہا: دو نہریں باطن پس وہ جنت (۵) کی ہیں اور دو نہریں

---

(۱) سدرۃ المنتہٰی ایک درخت کا نام ہے اور وہ ساتویں آسمان میں ہے اور اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے۔ لغت میں سدرہ بیری کے درخت کے معنی میں ہے اور ''منتہی'' اس کو اس سبب سے کہتے ہیں کہ فرشتے وغیرہم تمام علومِ خلائق کی وہاں انتہا ہوتی ہے۔ اس کے ہر پتے پر فرشتہ کھڑا ہے اور وہ تسبیح کرتا ہے۔ کوئی شخص اس سے نہ گزرا اور کوئی پیغمبر و فرشتہ اس سے اوپر نہ گیا سوائے ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے۔ ''**چناں گرم در تیہ قربت براند - کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند**''۔ **ترجمہ:** حضور نے قربِ الٰہی کے صحرا کو اس تیزی سے طے کیا کہ جبرئیل سدرہ میں ان سے پیچھے رہ گئے۔ (مفتی مزمل)

(۲) ''ہجر'' مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، وہاں مٹکے بڑے بڑے بنتے ہیں جیسا کہ حدیث قُلّتین میں آیا ہے۔ ۱۲ منہ

(۳) یہ تشبیہ عام لوگوں کے فہم کی مقدار پر ہے اور موافق قیاس عقل کے ہے ورنہ گلانی ان کی حد حصر سے باہر ہے۔ ۱۲ منہ

(۴) مقصود حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا یا اس مقام کی تعلیم و تعریف ہے اور حضور کے اس مقام میں پہنچنے کا اشارہ وبشارت ہے کہ جہاں خلق کی عقلوں اور علموں کے پہنچنے کا منتہی ہے جو مشتمل ہے اپنے عذر مفارقت کو یا حضور کی مصاحبت سے واپس ہو جانا۔ **بگفتا فراتر مجالم نماند - بماندم کہ نیروے بالم نماند = اگر یک سرِ موئے برتر پرم - فروغ تجلی بسوزد پرم۔ ترجمہ:** جبرئیل نے کہا، مجھ میں آگے جانے کی مجال نہیں، میں یہیں رہتا ہوں کہ میرے پر میں تاب نہیں، اگر میں بال برابر آگے پرواز کروں گا تو انوارِ الٰہی کی تابشیں میرے پروں کو جلا دیں گی۔ (مفتی مزمل)

(۵) طیبی نے کہا کہ ایک سلسبیل اور دوسری کوثر ہے اور شرح ابن فرشتہ میں کہا: ایک کوثر اور دوسری نہر رحمت ہے اور باطن اس سبب سے کہتے ہیں کہ بہشت میں جاری ہیں اور بہشت سے باہر نہیں آتیں اور بعضوں نے کہا اس سبب سے باطن کہتے ہیں کہ عقلیں ان کی حقیقتِ وصف کو نہیں پہنچتیں۔ ۱۲ منہ

ظاہر پس وہ نیل (۱) و فرات ہیں، پھر میرے لیے بیت المعمور (۲) دکھایا اور ظاہر کیا گیا، پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک دودھ کا اور ایک شہد کا لایا گیا (تا کہ اختیار کروں ان میں سے جس کو چاہوں) پس میں نے دودھ کو لیا (اور پی لیا) جبرئیل نے کہا: دودھ فطرت (۳) ہے (یعنی دین اسلام جس پر آدمی پیدا کیے گیے ہیں) آپ اسی فطرت پر ہوں گے اور آپ کی امت بھی، پھر مجھ پر نماز فرض کی گئی ہر دن پچاس نمازیں، پھر میں بارگاہ الٰہی سے لوٹا اور موسیٰ پر گزرا تو موسیٰ نے کہا اور پوچھا: کس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا؟ میں نے کہا: مجھے ہر دن پچاس نماز کا حکم کیا گیا۔ تو موسیٰ نے

---

(۱) ظاہر یہ ہے کہ مراد نیلِ مصر اور فراتِ کوفہ ہے اور مطابق حکم حدیث یہ دونوں سدرہ کی جڑ سے آتی اور زمین پر گرتی اور جاری ہوتی ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی جمع الجوامع میں دربارۂ نیل و فرات ایک حدیث لائے جو عجائب و غرائب کو متضمن ہے کہ عقلیں اس میں متحیر ہیں اور بعضوں نے کہا یہ بابِ تشبیہ سے ہے کہ ان کا پانی لطافت و شیرینی و منافع میں آب بہشت سے مشابہ ہے، یا باب موافقت اسما سے ہے کہ نام میں یہ دونوں دو بہشتی نہروں کے موافق ہیں، ایسا ہی شرح ابن ملک میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ منہ

(۲) اور وہ ایک گھر ہے جو ساتویں آسمان میں خانہ کعبہ کے مقابل و محاذی واقع ہے، جو اس پر سے کوئی چیز ڈالی جائے تو سیدھی خانۂ کعبہ پر آئے، ہر روز اس کا طواف ستّر ہزار فرشتے کرتے ہیں جو پھر لوٹ کر نہ آئیں گے یعنی ہر روز ستّر ہزار نئے فرشتے آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بیت المعمور وہ گھر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آسمان سے اتار لائے تھے پھر اٹھا لے گئے۔ ۱۲ منہ

(۳) علما نے فرمایا ہے کہ دودھ اُس عالم میں دین و علم کی مثال ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ دودھ پیتا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ دین و علم سے نفع حاصل کرے گا اور خوش ہو گا اور مناسبت فطرت کے ساتھ یہ ہے کہ ابتدا میں غذا آدمی کی اس سے ہے بسبب اس کی صفائی اور لطافت اور شیرینی اور گوارا ہونے کے، لیکن شراب تو وہ اُم الخبائث اور شر و فساد کی جڑ ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل نے کہا: اگر آپ شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت میں فساد ہوتا۔ اگر چہ اس وقت شراب مباح تھی خصوصاً شراب جنت لیکن اس کی تعبیر اس جہاں میں یہ تھی، اور شہد اگر چہ شیریں اور شافی ہے لیکن لطافت اور گوارائی دودھ کی اس سے زیادہ ہے اور مسلم کی حدیث میں شہد کا ذکر نہیں ہے، دو برتن شراب اور دودھ کے مذکور ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین ظرفوں کا لانا آسمان پر تھا اور حدیث مسلم میں آیا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں مقام میں تھا، بیت المقدس میں صرف شراب اور دودھ کا برتن اور آسمان پر شراب و شہد و شیر کے ظروف۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ منہ

کہا: بے شک آپ کی امت ہر دن پچاس نمازوں کی طاقت نہ رکھ سکے گی اور ادانہ کرے گی، اور بے شک میں نے- قسم ہے اللہ تعالیٰ کی-آپ کے پہلے آدمیوں کو آزمایا ہے اور میں نے بنی اسرائیل کو پورے طور پر برتا (مگر باوجود اس کے کہ وہ بہ نسبت آپ کی امت کے قوی الجثہ تھے، تکلیفات شرعیہ کی برداشت نہ کرسکے اور نمازوں کے ادا میں قصوروار رہے۔) لہذا اپنے رب کی طرف لوٹ جایئے اور اپنی امت کے لیے تخفیف وآسانی کا سوال اور درخواست کیجئے ۔ پھر میں (بارگاہِ پروردگار میں) لوٹ گیا تو دس نمازیں معاف اور کم فرمائیں، پھر میں موسیٰ کی طرف لوٹ آیا تو موسیٰ نے اس کے مثل کہا (یعنی جو کچھ پہلی بار کہا تھا کہ آپ کی امت چالیس نمازیں نہ ادا کرسکے گی اور میں نے آپ کے پہلے آدمیوں کو آزمایا ہے) پھر میں (بارگاہ الٰہی میں) لوٹ گیا تو اس نے مجھ سے دس اتار رکھیں (اور تیس رہیں) پھر میں موسیٰ کی طرف لوٹ آیا تو انہوں نے اس کے مثل کہا جو کہا تھا، پھر میں لوٹ گیا تو پروردگار نے مجھ سے دس گھٹائیں (اور بیس رہیں) پھر میں موسیٰ کی طرف لوٹ آیا تو انہوں نے اس کے مثل کہا، پھر میں لوٹ گیا تو مجھ سے دس کو گھٹایا، پس مجھ کو ہر دن دس نمازوں کا حکم کیا گیا، پھر میں موسیٰ کی طرف لوٹ آیا تو انہوں نے اس کے مثل کہا، پھر میں لوٹ گیا تو ہر روز پانچ نمازوں کا حکم کیا گیا۔ موسیٰ نے کہا: بے شک آپ کی امت ہر دن پانچ نمازوں کی طاقت نہ رکھے گی اور بے شک میں نے آپ کے پہلے لوگوں کا آزمایا ہے اور میں نے بنی اسرائیل کو پورے طور پر جانچا۔ لہذا اپنے رب طرف لوٹ جایئے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ (بعض نسخوں میں "لأمتك" ہے یعنی اپنی امت کے واسطے) حضور نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا یہاں تک کہ اب میں شرمندہ ہو گیا، لیکن راضی ہوتا اور امرِ الٰہی کو تسلیم کرتا ہوں یا تسلیم کرتا اور امت کے کام کو خدائے تعالیٰ اور اس کی توفیق کی طرف سونپتا ہوں۔ پھر جب میں اس جگہ سے گزرا تو آواز

دینے والے نے آواز دی (اور کہا) میں نے اپنے فرض کو نافذ کیا اور میں نے اپنے بندوں کا بوجھ ہلکا کیا (یعنی نمازیں پانچ رکھیں اور ثواب پچاس کا دوں گا)۔ انتہیٰ۔[1]

دوسری حدیث **بخاری و مسلم** میں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور کا جنت میں تشریف لے جانا بھی مسطور و مذکور ہے۔

حدیث مسلم میں جو انہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، یہ ہے کہ میں براق پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور براق کو مسجد کے دروازے پر اس حلقے میں باندھ دیا جس میں پیغمبر اپنی سواریاں باندھتے تھے، پھر مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں۔

یہاں پر **اشعۃ اللمعات** میں افادہ فرمایا۔ ”یقیناً راوی سے حضور کی امامت کا ذکر فوت ہو گیا کہ آپ نے وہاں پیغمبروں کی امامت فرمائی یا تو راوی کو یاد نہ رہا یا اختصار کو دخل دیا جیسا کہ حدیث مذکور قتادہ میں سرے سے حضور پر نور کا مسجد اقصیٰ تشریف لے جانا ہے رہ گیا، حالانکہ **درآں مسجد امام انبیا شد۔ صف پیشینیاں را پیشوا شد**[2]“۔

(امامت انبیا کی، کی شب معراج میں تم نے
وہ ٹھہرے مقتدی اور تم ہر اک کے مقتدا ٹھہرے)

اسی حدیثِ صحیح مسلم شریف میں سدرۃ المنتہیٰ تشریف لے جانے کے بعد ذکر وحی بھی ہے کہ ”وَأَوْحىٰ إلَيَّ ما أوحىٰ“ (اور وحی کی پروردگار نے میری طرف جو کچھ وحی کی)

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، باب المعراج، فصل اول، ص:۵۲۸، مطبوعہ مجلس برکات، مبارکپور

(۲) اشعۃ اللمعات، باب المعراج، زیر روایت مسلم: "فصلیت فیه رکعتین" جلد:۴، ص:۲۹۱، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

اشعۃ اللمعات میں اس کی توضیح یہ فرمائی:

"آں راجز خدا اور رسول وے ہیچ کس نداند، واحوط واقرب بصواب آں ست کہ آں رابر ابہام واجمال گزرانند وبر بیان وتفسیر آں تعرض نکنند(۱)"۔

یعنی اس کو سوائے خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کے کوئی شخص نہیں جانتا اور زیادہ تر باحتیاط اور قریب تر بصواب یہ ہے کہ اس وحی کو اجمال وابہام پر چھوڑ دیں اور اس کے بیان وتفسیر سے تعرض نہ کریں۔ انتہیٰ۔

وہ راز ونیاز کی باتیں؛ وہ پوشیدہ خبریں ایسی تھیں جن کو کسی بشر کا قلب نہیں اٹھا سکتا، یہ قوت محبوبِ خدا ہی کے قلب انور میں تھی جو ان کا متحمل ہوا۔

روح البیان صفحہ:۱۴۸ر میں توضیح قول باری تعالیٰ "وَأَوْحىٰ إلَیَّ ما أوحىٰ" میں ہے:"قال البقالي:أبهم الله سر ذٰلك الوحي على جميع فهوم الخلائق من العرش إلى الثرى بقوله "ما أوحى" لأنه لم يبين أي شيئ أوحى إلى حبيبه لأن بين المحب والمحبوب سرا لا يطلع عليه غيرهما، وأظن أنه لو بين كلمة من تلك الأسرار لجميع الأولين والاٰخرين؛ لماتوا جميعا من ثقل ذٰلك الوارد الذي ورد من الحق على قلب عبده، احتمل ذٰلك المصطفىٰ عليه الصلاة والسلام بقوة ربانية ملكوتية لاهوتية ألبسه الله إياها. ولولا ذٰلك؛ لم يحتمل ذرة منها لأنها أنباء عجيبة وأسرار أزلية، لو ظهرت كلمة منها لتعطلت الأحكام، ولفنيت الأرواح والأجسام، واندرست الرسوم، واضمحلت العقول والفهوم(۲)".

(۱) اشعۃ اللمعات، باب المعراج، جلد:۴، ص:۲۹۲، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

(۲) تفسیر روح البیان، سورۂ والنجم، جلد:۹، ص:۲۲۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

یعنی علامہ بقالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس وحی خفی کے بھید کو اللہ جل جلالہ نے پوشیدہ رکھا تمام مخلوقات کی فہوم پر عرش سے لے کر زیر زمین تک اپنے قول "ماأوحیٰ" کے ساتھ۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو کچھ وحی کی اس میں سے کسی چیز کو بھی بیان نہ فرمایا اس لیے کہ محب و محبوب کے درمیان بھید ہے، جس پر سوائے ان دونوں کے اور کوئی اطلاع نہ پائے، اور میرا گمان یہ ہے کہ بے شک ان بھیدوں سے اگر ایک کلمہ بھی تمام اگلوں اور پچھلوں سے بیان کیا جائے تو البتہ اس کلمہ کے ثقل سے جو قلب انور واطہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا، سب کے سب مر جائیں۔ محبوب خدائے تعالیٰ نے قوت ربانیہ ملکوتیہ لاہوتیہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی تھی، اس کو برداشت فرمایا اور اگر ایسا نہ ہوتا یعنی اس طرح کی طاقت آپ میں نہ ہوتی تو ان بھیدوں سے ایک ذرے کی بھی برداشت نہ فرما سکتے تھے اس لیے کہ وہ عجیب خبریں اور ازلی اسرار تھے، اگر ان میں سے ایک کلمہ بھی ظاہر ہو جاتا تو البتہ بے کار ہو جاتے احکام اور البتہ فنا ہو جاتیں روحیں اور اجسام اور کہنہ و فرسودہ ہو جاتیں یعنی مٹ جاتیں رسمیں اور کچھ کام نہ دیتیں عقلیں اور فہمیں۔ انتہیٰ۔

تو مکمل از کمال کیستی
مظہر نور جمال کیستی

من بتو آوردم ایمان ایں قدر
کآدمی را نیست امکان ایں قدر

آفتابے را بگل اندودہ اند
وہ چہ گل آئینہ بزدودہ اند

تو ز نور پادشاہ عالمی
تو کجاؤ آب و خاک آدمی

تو جمال دوست را آئینۂ
لاجرم یک لحظہ بے آئین نۂ

نے فلک محرم شد اورا، نے ملک
با تو گفت اسرار وحی یک بیک

سر پنہانی کہ جانِ محرم نہ بود
حق ہمی گفت و محمد می شنود

محمد سر وحدت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ قدر حسنہ وجمالہ ورفعۃ شانہ وجلالہ وکمالہ

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما **میں وارد ہوا:** "ودنا الجبّار رب العزة، فتدلیٰ منه حتی كان قاب قوسين أو أدنى، فأوحى إليه ماأوحى".

معالم التنزیل میں تفسیر آیۂ کریمہ "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْأَدْنىٰ" **میں ہے:** "دنا الرب عزوجل من محمد ﷺ فتدلیٰ، فقرب منه حتی كان قاب قوسين أوأدنى، وروينا في قصة المعراج عن شريك بن عبد الله عن أنس: "ودنا الجبار رب العزة، فتدلیٰ منه حتی كان

منه قاب قوسين أوأدنى" وهذا رواية أبي سلمة عن ابن عباس. والتدلي هو النزول إلى الشيئ حتى يقرب منه[1]"۔

یعنی پھر قریب ہوا رب عزوجل محمد ﷺ سے، پس زیادہ ہوا قرب میں؛ نہایت قریب ہو گیا محمد علیہ الصلاۃ والسلام سے، یہاں تک کہ تھا وہ نزدیک ہونا مقدار دو کمانوں کے یا اس سے بھی کم۔ اور خبر دی گئی ہم کو قصہ معراج میں شریک بن عبد اللہ سے، انہوں نے روایت کی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "اور قریب ہوا رب العزت، پس زیادہ ہوا قرب میں حضور پر نور سے، یہاں تک کہ تھا حضور سے نزدیک ہونا مقدار دو کمانوں کے یا اس سے بھی بہت نزدیک" اور یہ روایت حضرت ابی سلمہ کی ہے حضرت ابن عباس سے۔ اور "تَدَلِّیْ" کے معنی کسی چیز کی طرف اترنا یہاں تک کہ اس سے نزدیک ہو جائے۔

روح البیان صفحہ: ۱۴۶ر میں اس آیتِ کریمہ کے یہ معنی لکھے ہیں: "(ثُمَّ دَنَا) پس نزدیک شد محمد ﷺ بحضرت احدیت یعنی مقرب درگاہِ الوہیت گشت بمکانت ومنزلت نہ بمنزل ومکان۔ (فَتَدَلّٰی) پس فروتنی کرد یعنی سجدۂ خدمت آورد خدائے را۔ شیخ ابو الحسین نوری قُدِّسَ سِرُّہٗ راز معنیٔ ایں آیت پرسیدند، جواب داد: جائے کہ جبرئیل نگنجد، نورے کیست کہ ازاں سخن تواند گفت۔

خیمہ بِرُون زدز حدود دو جہات
پردۂ او شد تُتُق نور ذات

---

[1] تفسیر معالم التنزیل (تفسیر بغوی) از امام ابو محمد حسین بن مسعود فرّاء، سورۂ والنجم، ج:۴، ص: ۳۰۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۰ھ

تیرگی ہستی ازو دور گشت

پردگی پردہ آں نور گشت

کیست کزاں پردہ شود پردہ ساز

زمزمہ گوید ازاں پردہ باز" انتھی ملخصا۔(۱)

اسی کے اسی صفحہ میں ہے: "(**فکان قاب قوسین أوأدنی**) کنایت ست از تاکید قربت الخ

۔"قال علیه الصلاة والسلام: لما أُسرِيَ بی إلی السماء؛ قربني ربي حتی کان بیني وبینه کقاب قوسین أوأدنی"۔(۲)

یعنی ایک روایت میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ شب معراج اپنے رب سے میں اس قدر قریب ہوا کہ مجھ میں اور میرے رب میں مقدار دو کمانوں کے یا اس سے بھی کم نزدیکی تھی۔

جس طرح "ماأوحی" فرما کر حال وحی کو مجمل رکھا، اسی طرح "أوأدنیٰ" کہہ کر قرب کو بھی مبہم رکھا۔ اس رمزِ ابہام وحالِ اجمال کو وہی ایزد متعال جانے یا اس کا حبیب مجموعۂ صفات کمال علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلاۃ والسلام بدوام اللہ الملک العلّام۔

غنچے "ماأوحیٰ" کے جو چٹکے "دنا" کے باغ میں

بلبل سدرہ تک اس کی بو سے بھی محرم نہیں۔

---

(۱) تفسیر روح البیان، سورۂ والنجم، جلد:۹، ص:۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

(۲) تفسیر روح البیان، سورۂ والنجم، جلد:۹، ص:۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

انہیں کو ملی خاص تشریف اسرا
"دنا وتدلی" نے قرب ان کا کھولا

ہوا "قاب قوسین" شارح پھر اس کا
"أو أدنی" نے کچھ اور ہی سر بتایا

اب آگے لکھوں قرب کا حال کیوں کر
نہ مکشوف و ظاہر ہوا وہ کسی پر

"فأوحی إلی عبده" تا بآخر
یہ آیت ہے اسرار مخفی پہ مشعر

رموز خفیہ ہوئے ان پر ظاہر
وہی رازدارِ خداوندِ قادر

وہ تھے رمز ایسے، وہ تھے راز ایسے
نہ پائی خبر جن کی جبریل تک نے

الحاصل حضور پر نور نے حصر سے باہر قسم قسم کے عجائب و غرائبِ قدرت معاینہ فرمائے اور کروڑوں بلکہ بے شمار مواہب وانعامات؛ فیوض وبرکات؛ واہب العطیات سے پائے، اللہ اللہ! امت کو بھی ایسے موقع پر فراموش نہ فرمایا، ان کے گناہوں کو بخشوایا، طرح طرح کے اسرارِ ربانی

ورموزِ پنہانی سے سینے کو مالامال فرمایا،انوار بے پایاں سے قلب شریف کو منور کیا، گویا سراپا نور ہی نور ہو کر طرفۃ العین یعنی چشم زدن میں واپس تشریف لائے۔

اور وہ جو حدیث **مسلم** میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تین چیزیں ذکر فرمائیں کہ "فأُعْطِيَ رسولُ الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلاثا: أُعْطِيَ الصلوٰت الخمس، و أُعْطِيَ خواتيم سورةالبقرة، وغفر لمن لايشرك بالله من أمته شيئا المُقْحِمَات[1]"

یعنی شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں۔ ایک تو پانچ نمازیں عطا کی گئیں، دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں یعنی "آمن الرسول" سے آخر تک عطا کی گئیں اور تیسرے آپ کی امت میں سے اس شخص کے کبیرہ گناہوں کو بخش دیا گیا جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا ہے۔

یہ تینوں چیزیں بسبب شرف و کرامت کے کہ تعلق امت کے ساتھ رکھتی تھیں ذکر کیں، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار چیزیں عطا ہوئیں۔

اشعۃ اللمعات صفحہ:۵۶۱/ میں اس کی یہ توضیح فرمائی: "**وبحقیقت آں چہ دادہ شد بوے صلی اللہ علیہ وسلم درآں شب از مواہبِ علمی و عملی و انوار واسرار وفیوض وبرکات، بیروں از حدِ حصر و احصاست۔ ولیکن عبد اللہ بن مسعود ایں سہ چیز بجہت شرف و کرامت کہ تعلق بامت دارند، ذکر کرد**[2]"۔

---

[1] مشکاۃ المصابیح، باب المعراج، فصل اول، ص:۵۲۹، مطبوعہ مجلس برکات، مبارکپور

[2] اشعۃ اللمعات، باب المعراج، زیر حدیث عبد اللہ بن مسعود، بحوالۂ مسلم، جلد:۴، ص:۲۹۵، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

پھر حدیث مذکور میں جو آپ کی سیر سدرۃ المنتہیٰ تک بیان ہوئی، اس سے یہیں تک کا حصر نہیں پایا جاتا، سدرہ سے اوپر عروج کی نفی نہیں نکلتی۔ صحیح و حق یہ ہے کہ آسمانوں کے اوپر بلندیوں میں جہاں تک خدائے تعالیٰ نے چاہا، پہنچایا۔ عرش اور اس سے اوپر تک کے اقوال ہم نے کتب عقائد: شرح فقہ اکبر و شرح عقائد نسفیہ وغیرہ سے ابتدا میں ذکر کر دیے، حاجت اعادہ نہیں۔

اشعۃ اللمعات صفحہ: ۵۶۰/ میں ہے: "**وجز حضرت پیغمبر ما صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بالا تر ازاں ہیچ کس نہ رفتہ و آں حضرت بجائے رفت کہ آنجا جانیست**[1]"۔

یعنی اور سوائے ہمارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سدرہ سے اوپر کوئی بھی نہ گیا اور حضور سراپا نور علیہ الصلاۃ والسلام وہاں تشریف لے گئے کہ جہاں جگہ نہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ و کرسی و عرش بریں کے اوپر جہاں خدائے تعالیٰ نے چاہا، وہاں حضور نے عروج فرمایا۔

بر داشت از طبیعتِ امکان قدم کہ آں
أسری بعبدہ ست من المسجد الحرام
تا عرصۂ وجوب کہ اقصائے عالم ست
کہ آنجا نہ جاست و نے جہت و نے نشان نہ نام[2]
سِرّے ست پس شگرف و رآں جا مپیچ ہاں
از آشنائے عالم جاں پرس ازیں مقام[3]

---

(۱) اشعۃ اللمعات، باب المعراج، زیر حدیث عبد اللہ بن مسعود، بحوالۂ مسلم، جلد: ۴، ص: ۲۹۴، سن اشاعت: ۱۲۷۹ھ

(۲) ترجمۂ شعر: طبیعتِ امکاں سے قدم مبارک اٹھا لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی مسجد حرام سے میدان وجوب تک جو عالم کا آخری کنارہ ہے۔ وہاں نہ مکان ہے، نہ جہت، نہ نشان نہ نام۔

(۳) ترجمۂ شعر: وہ ایک بڑا راز ہے، جس میں تو نہ الجھ، ہاں! کسی آشنائے عالم سے اس مقام کے بارے میں پوچھ۔

سیمرغ فہم ہیچ کس از انبیا نہ رفت
آں جا کہ تو ببال کرامت پریدۂ[۱]

ہر یک بقدر خویش بجائے رسیدہ اند
آں جا کہ جائے نیست بجائے رسیدۂ[۲]

اے کردہ خاک پائے تو با عرش ہمسری
ختم ست بر کمال تو ختم پیمبری[۳]

تو برگزشتہ فارغ و آزاد از ہمہ
جائے کہ جبریل ندانست رہبری[۴]

الحمدلله الملك القدير على جميع الأشياء*والصلاة والسلام على حبيبه سيد الأنبياء*صاحب البراق والإسراء*والمعراج والشفاعة والحوض والمقام المحمود واللواء*وعلیٰ اٰله وصحبه الذين هم نجوم الاهتداء*وعلیٰ أئمة الدين* والأولياءالكاملين* وعلينا معهم أجمعين*برحمته وهو أرحم الراحمين*

---

[۱] انبیاے کرام میں سے کسی کی عقل کا پرند وہاں نہ گیا، جہاں تم نے بازوے کرامت سے پرواز کی۔
[۲] ہر ایک بقدر اپنے مرتبے کے ایک مقام پر پہنچا، مگر تم اس مقام تک پہنچے جہاں کوئی مکان نہیں (یعنی لا مکان تک پہنچے)۔
[۳] اے وہ ذات کہ تیری خاکِ پا کو عرش کا ہم رتبہ کیا گیا، ختمی مرتبت ہونا تیرا اوج کمال ہے۔
[۴] تم ان تمام مقامات سے بے خوف گزر گئے، جن کی رہبری جبرئیل کو معلوم نہ تھی۔

سوال سوم

حضور ﷺ کی شفاعت عام و تام و حق؛ داخل عقائد اول سنّت ہے یا نہیں؟اور اذن شفاعت مل چکا ہے یا میدانِ قیامت و روز جزا و سزا میں اگر پروردگار تَعَالیٰ شَانُہٗ اذن دے گا تو آپ شفاعت فرمائیں گے ورنہ نہیں؟

جواب سوال سوم

اذنِ شفاعت آپ کو آپ کا رب جَلَّ جَلَالُہٗ دنیا ہی میں عنایت فرما چکا، آپ شفاعت ضرور بالضرور یقیناً حتماً فرمائیں گے بلکہ اب بھی یقیناً فرما رہے ہیں جیسا کہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔

افسوس کہ وہابیہ نے ایک ایسے بدیہی قطعی الثبوت امر میں وہم وتردد وشک پیدا کیا اور احتمالاتِ لایعنی کو دخل دیا اور وساوسِ شیطانیہ سے کام لیا بلکہ انکار کی جیتی مکّھی نگلی جن پر ان کے بھائی معتزلہ جو اکثر مسائل میں ان کے شریک ہیں، قہقہے اڑاتے اور شاباش و مرحبا کے نعرے لگاتے ہیں۔

حیف، صد حیف کہ مطلق شفاعت کا انکار تو معتزلہ بھی نہیں کرتے، چونکہ وہ اپنے مذہب کی بنا پر اہل کبائر کو بدون توبہ مخلد فی النار جانتے، لہٰذا ان کے حق میں شفاعت کو نہیں مانتے۔ اگر مانتے ہیں تو صرف ثواب کی زیادتی، درجوں کی بلندی کے لیے نہ کہ گناہوں کی معافی کے واسطے۔ ان کا خیال بھی باطل، تمہارا مذہب بھی فاسد و عاطل، دونوں کے دونوں راہِ حق وہدایت و صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے، وادیٔ ضلالت وبطالت میں قدم رکھے ہوئے ہیں۔ ذرا گوش گوش سے سنو! یہ شفاعت وہ حکم محکم شریعت ہے جس کے ثبوت میں آیتیں موجود، صحیح و متواتر و مشہور حدیثیں

موجود، اجماع اہل سنت موجود۔ ایسے حکم کے سامنے تمہارے تمام خیالات واوہام واحتمالات مردود، اس میں تمہارا زور لگانا بالکل بے سود۔

اب اس کی قدرے تحقیق معرضِ اظہار میں لاتا اور توفیق رب اکبر اور مدد شائع محشر ﷺ سے چاہتا ہوں۔

اشعۃ اللمعات جلد:۴ر صفحہ:۴۰۴ر کی عبارت کے ترجمے پر اکتفا کرتا ہوں اور عبارت کو بخیالِ طول نقل کرنے سے چھوڑتا ہوں۔

”شفاعت مشتق ہے شفع سے اور شفع کے معنی اصل میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ملنا ہے۔ شفاعت میں بھی شفاعت کرنے والے کا گناہ گار کے ساتھ ملنا ہے درگاہِ عزت سے اس کے گناہوں کی مغفرت کی درخواست کرنے کے لیے۔ شفاعت کی کئی قسمیں ہیں، وہ سب کی سب ثابت ہیں سید المرسلین ﷺ کے واسطے، بعض خصوصیت کے ساتھ، بعض بطفیلِ حضور اوروں کے لیے بھی۔ اول جو کوئی شفاعت کے دروازے کو کھولے گا وہ ہمارے ہی حضور وآقا ہوں گے، پس حقیقت میں تمام شفاعتیں آپ ہی کی طرف راجع ہیں اور آپ ہی صاحب شفاعات علی الاطلاق ہیں[1]۔

پہلی قسم: شفاعت عظمیٰ ہے کہ عام ہے تمام مخلوق کے لیے اور مخصوص ہے ہمارے پیغمبر ﷺ کے ساتھ، پیغمبروں سے کسی کو مجال جرأت وپیش قدمی کی اس پر نہ ہوگی، وہ میدانِ قیامت میں زیادہ کھڑے رہنے اور اسی طولِ وقوفِ عرصۂ قیامت سے چھڑانے اور سختی ومحنت

---

[1] اشعۃ اللمعات، باب الحوض والشفاعۃ، جلد ۴، ص:۲۰۵، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

وشدت سے بچانے اور حساب وکتاب و حکمِ باری تعالیٰ میں جلدی کرانے کے واسطے ہو گی۔ جس کا بیان حدیث صحیح بخاری و مسلم سے آئے گا۔

دوسری قسم: ایک قوم کو بغیر حساب کے بہشت میں لانے کے واسطے ہو گی۔ اس کا ثبوت بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کے واسطے وارد ہوا ہے اور بعض محققین کے نزدیک ہمارے ہی آقا کے ساتھ یہ شفاعت مخصوص ہے۔

تیسری قسم: ان قوموں کے بہشت میں داخل ہونے کے لیے ہو گی جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی اور وہ قومیں شفاعت کی مدد سے جنت میں آئیں گی۔

چوتھی قسم: اس قوم کے جنت میں لانے کے واسطے ہو گی جو جہنم کی مستحق و سزاوار ٹھہرے گی۔

پانچویں قسم: درجوں کی بلندی اور بزرگیوں کی زیادتی کے لیے ہو گی۔

چھٹی قسم: جہنم سے ان گناہ گاروں کے نکالنے کے واسطے ہو گی جو دوزخ میں داخل ہو گیے ہوں گے اور شفاعت سے نکلیں گے۔ یہ شفاعت بطفیلِ حضور ثابت ہے باقی پیغمبروں اور فرشتوں اور عالموں اور شہیدوں کے واسطے۔

ساتویں قسم: جنت کے کھولنے میں۔

آٹھویں قسم: ان لوگوں کی تخفیف عذاب میں جو ہمیشہ کے لیے مستحق عذاب ہوئے ہوں گے یعنی کفار۔

نویں قسم: خاصۃً مدینہ طیبہ کے رہنے والوں کے لیے۔

دسویں قسم: خصوصیت وامتیاز کے ساتھ ان لوگوں کی شفاعت میں جنہوں نے آپ کے روضۂ انور کی زیارت کی ہوگی"۔

شرح فقہ اکبر لمولانا علی القاری رحمہ اللہ الباری، مطبوع قیومی کانپور، صفحہ:۱۱۴/ میں ہے:"(وشفاعة الأنبياءعليهم السلام) أي عموما فى المقصود (وشفاعة نبيناﷺ)أي خصوصاً فى المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود(للمؤمنين المذنبين) أي من أهل الصغائر المستحقين للعقاب (ولأهل الكبائرمنهم)أي من المؤمنين المستوجبين للعقاب(حق) فقد ورد:"شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي"الخ، رواه أحمد وأبوداؤد والترمذي وابن حبّان والحاكم عن أنس، والترمذى وابن ماجة وابن حبان والحاكم عن جابر، والطبراني عن ابن عباس، والخطيب عن ابن عمر و عن كعب بن عجرة رضي الله تعالىٰ عنهم، فهو حديث مشهور فى المبنىٰ بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنىٰ.

ومن الأدلة على تحقق الشفاعة قوله تعالىٰ:"اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" ومنه قوله سبحانه وتعالىٰ:" فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ" إذ مفهومه أنها تنفع المؤمنين، وكذاشفاعة الملٰئكة لقوله تعالىٰ:"يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا" وكذا شفاعة العلماء والأولياء والشهداء والفقراء وأطفال المؤمنين الصابرين على البلاء.

وقال الإمام الأعظم رحمه الله تعالىٰ فى كتابه "الوصية":"وشفاعة محمدﷺ حق لكل من أهل الجنة وإن كان صاحب كبيرة". انتهىٰ. وظاهره أن هذه الشفاعة ليست مختصة بأهل الكبائر من هذه الأمة، فإنه عليه الصلاة والسلام بالنسبة إلى جميع الأمم كاشف الغمة

ونبي الرحمة، وقد ثبت أن له عليه الصلاة والسلام أنواعاً من الشفاعة وليس هذا مقام بسطها.

وفی العقائد النسفية: "والشفاعة ثابتة للرسل ﷺ والأخيار في أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار، وفي المسألة خلاف المعتزلة إلا في نوع الشفاعة لرفع الدرجة[1]". انتہی"

یعنی شفاعت پیغمبروں کی یعنی عموماً مقصود میں اور شفاعت ہمارے نبی ﷺ کی یعنی خصوصاً مقام محمود اور لوائے ممدود اور حوض مورود میں گناہ گار مومنوں کے لیے یعنی صغیرہ گناہ والوں کے لیے جو مستحق عذاب ہیں اور کبیرہ گناہ والوں کے لیے یعنی ان مومنوں کے لیے جو مستحق عقاب ہیں، حق ہے۔ پس تحقیق وارد ہوا ہے کہ میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے واسطے ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد اور ترمذی اور ابن حبان اور حاکم نے حضرت انس سے، اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر سے، اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے، اور خطیب نے حضرت ابن عمر اور کعب بن عجرہ سے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس یہ حدیث مشہور ہے مبنی میں بلکہ بابِ شفاعت میں حدیثیں متواترۃ المعنی ہیں، اور شفاعت کے ثابت ہونے کی دلیلوں میں سے باری تعالی کا یہ ارشاد ہے کہ "طلبِ مغفرت کیجئے اپنوں کے گناہ اور عام مومنین و مومنات کے گناہوں کے لیے" اور انہیں دلیلوں سے دوسرا قول باری عَزَّ اِسْمُہٗ کا یہ ہے کہ "پس نفع نہ دے گی ان کو یعنی کافروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت" یعنی پیغمبروں کی، اس لیے کہ اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ بے شک شفاعت مومنوں کو نفع دے گی۔ اور اسی طرح

[1] شرح فقہ اکبر، ص ۲۷۵ تا ۲۷۸، مکتبہ دار البشائر، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ

فرشتوں کی شفاعت حق ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس دن کھڑا ہو روح اور فرشتے صف بصف، نہ بات کریں گے مگر وہ کہ رحمٰن نے اس کے لیے اجازت دی اور اس نے سچی بات کہی[1]۔ اور ایسا ہی حق ہے شفاعت عالموں کی اور ولیوں کی اور شہیدوں کی اور فقیروں کی اور مومنوں کے لڑکوں کی؛ وہ مومن جنہوں نے بلا پر صبر کیا ہے اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب **وصیت** میں فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اہل جنت میں سے ہر ایک کے لیے حق ہے اگرچہ وہ صاحب کبیرہ ہو۔ ختم ہوئی عبارت کتابِ وصیت کی اور ظاہر اس عبارت کا یہ ہے کہ یہ شفاعت کچھ اسی امت کے اہل کبائر کے ساتھ مختص نہیں اس لیے کہ بے شک حضور علیہ الصلاۃ والسلام بنسبت تمام امتوں کے غم واندوہ کے کھولنے والے اور نبیِ رحمت ہیں۔ اور بے شک یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شفاعت کی کئی قسمیں ہیں (جو ذکر ہو چکیں) یہ مقام ان کے بسط وتوضیح کا نہیں۔ اور عقائد نسفیہ میں ہے کہ کبیرہ گناہ والوں کے حق میں رسولان عظام علیہم الصلاۃ والسلام اور نیک لوگوں کی شفاعت مشہور حدیثوں سے ثابت ہے، اور اس مسئلے میں معتزلہ کا خلاف ہے مگر

---

[1] **معالم التنزیل** میں زیرِ آیت ہے کہ اس روح میں اختلاف ہے۔ شعبی وضحاک نے کہا: وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ روح فرشتوں سے ایک فرشتہ ہے، اس سے بڑا اللہ تعالیٰ نے مخلوقات سے کسی کو نہیں پیدا فرمایا۔ پس جب قیامت کا دن ہو گا وہ کھڑا ہو گا، تنہا اس کی ایک صف ہو گی اور کھڑے ہوں گے فرشتے سب کے سب ایک صف میں، پس اس کی خِلقی بڑائی ان سب فرشتوں کے مثل ہو گی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ روح ایک فرشتہ ہے تمام آسمانوں سے بڑا، تمام پہاڑوں سے بڑا، تمام فرشتوں سے بڑا اور وہ چوتھے آسمان پر ہے، ہر دن اللہ تعالیٰ کی بارہ ہزار تسبیحیں کرتا ہے، ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے، وہ روح قیامت کے دن آئے گا تنہا ایک صف میں۔ ان تینوں اقوال کے سوا اور بھی کئی اقوال اسی تفسیر میں مسطور ہیں جن کا ترجمہ تطویل کے سبب سے نہ کیا گیا۔ "۱۲ منہ"۔ تفسیر معالم التنزیل (تفسیر بغوی)، زیر آیت "یوم یقوم الروح والملٰئکۃ صفاً" الخ، سورۂ نبا ۷۸ جلد ۵، ص: ۲۰۲، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ (مفتی مزمل)

بلندئ درجہ کے لیے قسم شفاعت میں خلاف نہیں، وہ صرف اسی قسم کو مانتے اور باقی اقسام سے انکار کرتے اور ان کو حق نہیں جانتے ہیں۔

شرح عقائد نسفیہ، مطبوع یوسفی لکھنؤ، صفحہ: ۸۷/ میں ہے: "(والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار) خلافا للمعتزلة، وهذا مبني على ما سبق من جواز العفو والمغفرة بدون الشفاعة فبالشفاعة أولى، وعندهم لما لم يجز؛ لم يجز. لنا قوله تعالىٰ: "اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ" وقوله تعالىٰ: "فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ" فإن أسلوب هذا الكلام يدل على ثبوت الشفاعة[1]".

یعنی شفاعت رسولوں اور نیک لوگوں کے لیے کبیرہ گناہ والوں کے حق میں مشہور حدیثوں سے ثابت ہے، اس میں معتزلہ کا خلاف ہے اور یہ ثبوتِ شفاعت مبنی ہے اس پر جو پہلے گزرا کہ بغیر شفاعت کے عفو اور مغفرت جائز ہے تو شفاعت کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ جائز ہو گا اور معتزلہ کے نزدیک عفو بغیر شفاعت کے جائز نہیں تو شفاعت سے بھی جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: "اور بخشش طلب کیجئے اپنوں کے گناہ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کے واسطے" اور یہ ارشاد "کہ پس نہ نفع دے گی کافروں کو سفارش، سفارش کرنے والوں کی" اس لیے کہ اس کلام کا اسلوب ثبوت شفاعت پر دلالت کرتا ہے۔ انتہیٰ۔

یہ دونوں آیتیں ثبوت شفاعت پر صاف طور سے دلالت کرتی ہیں۔ پہلی آیت میں جو ذنوبِ مومنین و مومنات کے لیے استغفار کا حکم ہوا تو اس سے واضح ہوا کہ یہ استغفار ان کو نفع دینے والا

---

[1] شرح عقائد، ص: ۱۲۲، مجلس برکات، مبارک پور

ہے، اگر ان کو نافع نہ ہوتا تو حکم استغفار کیوں ہوتا۔ استغفار طلبِ مغفرت کا نام ہے اور اسی کو شفاعت کہتے ہیں اور یہ اصحاب کبائر کو بھی شامل اور یہی مطلوب۔ دوسری آیت کا مفہوم یہ کہ مومنوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع دے گی۔

اسی میں تین چار سطروں کے بعد ہے: ”وقوله عليه السلام:”شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي“ وهو مشهور بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنىٰ[۱]“

یعنی حضور ﷺ کا ارشاد کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے واسطے ہے، یہ مشہور ہے بلکہ باب شفاعت میں حدیثیں متواترۃ المعنیٰ ہیں۔

نصیب ماست بہشت اے خداشناس برو
کہ مستحق کرامت گناہ گارانند[۲]

اسی میں چند سطروں کے بعد ہے:”ولما كان أصل العفو والشفاعة ثابتاً بالأدلةالقطعية من الكتاب والسنة والإجماع؛ قالت المعتزلة بالعفو عن الصغائر مطلقاً وعن الكبائر بعد التوبة وبالشفاعة لزيادة الثواب، وكلاهما فاسد. أما الأول فلأن التائب ومرتكب الصغيرة المجتنب عن الكبيرة لا يستحقان العذاب عندهم، فلا معنىٰ للعفو، وأماالثاني فلأن النصوص دالة على الشفاعة بمعنىٰ طلب العفو من الجناية“[۳]. انتهىٰ.

---

[۱] شرح عقائد، ص ۱۲۳، مجلس برکات، مبارک پور

[۲] شعر کا ترجمہ: اے عارف! حضور کی شفاعت سے ہم جنّت سے بہرہ ور ہوں گے، تو یہاں سے چلا جا کہ بخشش کے سزاوار گناہ گار ہیں۔

[۳] شرح عقائد، ص ۱۲۳/ ۱۲۴، مجلس برکات، مبارک پور

یعنی جب کہ اصل عفو و شفاعت دلائل قطعیہ کلام مجید اور سنت و اجماع سے ثابت تھی، لہٰذا معتزلہ نے کہا کہ (۱) عفو صغیرہ گناہوں سے مطلقاً یعنی بعد توبہ اور قبل توبہ اور کبیرہ گناہوں سے بعد توبہ درست ہے اور (۲) شفاعت زیادتی ثواب کے لیے ہے اور یہ دونوں قول ان کے فاسد ہیں، اول اس لیے کہ کبیرہ سے تائب اور صغیرہ کا مرتکب جو کبیرہ سے بچنے والا ہے، دونوں ان کے نزیک مستحق عذاب نہیں پھر عفو کے کوئی معنی ہی نہیں، اور دوسرا اس لیے کہ آیتیں شفاعت بمعنی گناہوں سے طلب عفو پر دلالت کرتی ہیں۔

مقاصد میں ہے: ''يجوز عندنا الشفاعة لأهل الكبائر في حقها لما سبق من دلائل العفو وماتواتر معنى من ادخار الشفاعة لأهل الكبائر، وقد يستدل بعموم قوله تعالىٰ: ''اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ'' أي لذنوبهم، وبأن أصل الشفاعة ثابت بالنص والإجماع، وليست حقيقته لطلب المنافع على ما يراه المعتزلة[1]''. انتهىٰ بقدرالحاجة.

یعنی ہمارے نزدیک کبیرہ گناہ والوں کے لیے کبائر کے حق میں شفاعت جائز ہے، وجہ وہی دلائل عفو ہیں جو پیشتر گزر چکے اور وہ حدیث جو متواتر المعنیٰ ہے کہ میں نے شفاعت کبیرہ گناہ والوں کے لیے ذخیرہ رکھی ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عموم سے دلیل لائی جاتی ہے کہ ''مغفرت طلب کیجئے اپنوں کے گناہ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے یعنی مسلمانوں کے گناہ کے لیے'' اور بے شک اصل شفاعت ثابت ہے آیت واجماع سے، اور شفاعت کی حقیقت منافع طلب کرنے کے لیے نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ اس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ انتھیٰ۔

---

[1] شرح مقاصد، جلد ۲، ص: ۲۳۹، المبحث الثالث عشر: ''یجوز عندنا الشفاعۃ لأھل لکبائر'' مطبوعہ محرم آفندی، استنبول، ۱۳۰۵ھ

اس سے زیادہ توضیح کے ساتھ اسی **مقاصد کی شرح**، جلد:۲/ مطبوع محرم آفندی، استنبول، صفحہ:۲۳۹/ میں علاّمہ تفتازانی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا جس کو میں نے بخوفِ طول نقل نہ کیا۔

شرح مواقف، مطبوع نول کشور، صفحہ:۱۳/۷/ میں ہے:"المقصد التاسع في شفاعة محمد رسول الله ﷺ:"أجمع الأمة بثبوت أصل الشفاعة المقبولة له عليه الصلاة والسلام، ولكن هي عندنا لأهل الكبائر من الأمة في إسقاط العذاب عنهم لقوله عليه الصلاة والسلام:"شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي" فإنه حديث صحيح، ولقوله تعالىٰ: "اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ" أي ولذنب المؤمنين لدلالة القرينة السابقة، وهى ذكر الذنب، وسيأتيك في بيان صفة الإيمان أن مرتكب الكبيرة مؤمن، وطلب المغفرة لذنب المومن شفاعةله في إسقاط عقابه عنه. وقالت المعتزلة: إنما هي لزيادة الثواب لا لدفع العقاب[1]." انتهى بقدر الضرورة

یعنی نواں مقصد شفاعت محمد رسول اللہ ﷺ کے بیان میں۔ امت نے حضور ﷺ کے لیے اصل شفاعت مقبولہ کے ثابت ہونے پر اجماع کیا لیکن وہ شفاعت مقبولہ ہمارے نزدیک امت کے اہل کبائر کے لیے اسقاط عذاب میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہے اور یہ حدیثِ صحیح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "مغفرت طلب کیجئے اپنوں کے گناہ کے لیے اور مومنین و مومنات کے لیے" یعنی مومنین کے گناہ کے لیے جس پر قرینۂ سابق دلالت کرتا ہے اور وہ گناہ کا ذکر ہے۔ عنقریب تمھارے پاس صفت ایمان کے بیان میں

---

[1] شرح مواقف، مرصد دوم، مقصد تاسع:"فی شفاعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم" جلد:۴، جزو:۸، ص:۳۴۱، مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلیشنگ، لاہور، طبع اول، ۱۴۳۰ھ

آئے گا کہ بے شک مرتکب کبیرہ مومن ہے، اور مومن کے گناہ کی مغفرت چاہنا اس کے لیے شفاعت ہے اور معتزلہ نے کہا کہ شفاعت صرف زیادتی ثواب کے لیے ہے نہ کہ عذاب کے ہٹانے کے لیے۔ انتہیٰ۔

ابھی تو اسی قدر معلوم ہوا کہ شفاعت حضور پر نور، حبیب رب غفور، سید و شافع یوم النشور، امام الانبیاء الکرام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام دلائل قطعیہ سے ثابت وحق ہے، اس میں چوں وچراو شک وشبہہ کا ہرگز گزر نہیں۔ لیکن اس کی حالت پر ابھی پوری آگاہی حاصل نہ ہوئی، اس کی جلوہ گری سے ہنوز بے خبری ہے، مناسب کہ کچھ تفصیل بیان کروں جس سے مسلمانوں کی روحیں پھڑک اٹھیں اور ان کے ایمان تازہ ہو جائیں اور مسئلے کی پوری توضیح وتنقیح اپنی تجلی دکھائے، مدعاے دلی ہاتھ آئے۔

مشکوٰۃ شریف، مطبوع فاروقی دہلی، صفحہ:۴۸۰ر میں **بخاری و مسلم** کی یہ حدیثِ جلیل وکبیر واضح مسطور ہے: "وعن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يحبس المؤمنون يوم القيامة حتى يهموا بذلك، فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا فيريحنا من مكاننا، فيأتون آدم فيقولون: أنت آدم أبو الناس، خلقك الله بيده، وأسكنك جنته، وأسجد لك ملائكته، وعلمك أسماء كل شيء، اشفع لنا عند ربك حتى يريحنا من مكاننا هذا . فيقول: لست هناكم-ويذكر خطيئته التي أصاب: أكله من الشجرة وقد نهي عنها-ولكن ائتوا نوحا أول نبي بعثه الله إلى أهل الأرض، فيأتون نوحا، فيقول: لست هناكم-ويذكر خطيئته التي أصاب: سؤاله ربه بغير علم- ولكن ائتوا إبراهيم خليل الرحمن.

قال:فيأتون إبراهيم، فيقول: إني لست هناكم-ويذكر ثلاث كذبات كذبهن-ولكن ائتوا موسى عبدا آتاه الله التوراة، وكلمه وقربه نجيا. قال:فيأتون موسى، فيقول: إني لست هناكم-ويذكر خطيئته التي أصاب-قتله النفس-ولكن ائتوا عيسى عبد الله ورسوله وروح الله وكلمته. قال:فيأتون عيسى، فيقول:لست هناكم ولكن ائتوا محمدا عبدا غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. قال:فيأتوني فأستأذن على ربي في داره، فيؤذن لي عليه، فإذا رأيته وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، فيقول:"ارفع، محمد! وقل تسمع، واشفع تشفع، وسل تعطه". قال:فأرفع رأسي، فأثني على ربي بثناء وتحميد يعلمنيه، ثم أشفع فيحد لي حدا، فأخرج، فأخرجهم من النار وأدخلهم الجنة، ثم أعود الثانية، فأستأذن على ربي في داره، فيؤذن لي عليه، فإذا رأيته وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، ثم يقول:"ارفع، محمد! وقل تسمع، واشفع تشفع، وسل تعطه". قال:فأرفع رأسي، فأثني على ربي بثناء وتحميد يعلمنيه، ثم أشفع فيحد لي حدا، فأخرج، فأخرجهم من النار وأدخلهم الجنة، ثم أعود الثالثة، فأستأذن على ربي في داره، فيؤذن لي عليه، فإذا رأيته وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، ثم يقول:"ارفع، محمد!وقل تسمع، واشفع تشفع، وسل تعطه". قال:فأرفع رأسي، فأثني على ربي بثناء وتحميد يعلمنيه، ثم أشفع فيحد لي حدا، فأخرج، فأخرجهم من النار وأدخلهم الجنة، حتى ما يبقى في النار إلا من قد حبسه القرآن أي:وجب عليه

الخلود، ثم تلا هذه الآية:"عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" قال:وهذا المقام المحمود الذي وعده نبيكم[1]." متفق عليه.

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا: مومن قیامت کے دن ملنے سے حبس کئے جائیں گے یہاں تک کہ محزون و غمگین ہوں گے بسبب اس حبس کے (اور حیران ہوں گے شفاعت کرنے والے کی طلب میں) پس کہیں گے کاش کہ ہم اپنے پروردگار کی طرف شفیع طلب کرتے (اور اپنے لیے کسی کو تو درگاہِ پروردگار میں پیدا کرتے؛ وہ ہماری شفاعت کرتا) اور ہمیں اس جگہ سے راحت دیتا (اور ہم کو اس اندوہ اور محنت سے خلاص کرتا) پس حضرت آدم سے آکر کہیں گے کہ آپ آدم ہیں، تمام لوگوں کے باپ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ کو اپنی بہشت میں ساکن کیا اور آپ کے واسطے اپنے فرشتوں کو ساجد کیا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔ اپنے پروردگار کے نزدیک ہماری شفاعت کیجئے تاکہ ہمیں راحت بخشے اور ہماری اس مشقت سے نجات دے۔ تو حضرت آدم کہیں گے: میں نہیں ہوں اس مقام و مرتبہ میں (کہ تم گمان لے جاتے ہو تاکہ جرأت کروں اور مقام شفاعت میں آؤں اور ابتدا کروں اور اس بابِ شفاعت کو کھولوں) اور یاد کریں گے وہ اس لغزش کو جو سرزد ہوئی تھی کہ درخت سے کھالیا تھا حالانکہ اس سے منع کیے گئے تھے لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ، وہ اول نبی ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا، پھر وہ سب لوگ حضرت نوح کے پاس آئیں گے، حضرت نوح کہیں گے کہ میں اس مقام میں نہیں ہوں کہ تم گمان لے جاتے ہو اور یاد کریں

---

(1) مشکاۃ المصابیح، باب الحوض والشفاعۃ، فصل اول، حدیث: ۵۵۷۲، جلد ۸، ص: ۳۵۴۱، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۲ھ

گے اپنی اس لغزش کو کہ ان سے واقع ہوئی تھی اور وہ ان کا اپنے پروردگار سے اپنے لڑکے کی نجات کا نادانستہ و تحقیق ناکردہ سوال کرنا ہے (کہ یہ سوال کرنا چاہیے تھا یا نہیں یہاں تک کہ عتاب آیا: اے نوح! مت پوچھ اس بات سے جس کا تجھ کو علم نہیں)، لیکن تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ کہ وہ خدائے مہربان کے دوست ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: پھر آئیں گے وہ حضرت ابراہیم کے پاس، حضرت ابراہیم کہیں گے: بے شک میں اس مقام کا سزاوار نہیں ہوں اور یاد کریں گے تین باتیں کہ ظاہر ان کا خلاف واقع تھا (حالانکہ حقیقت میں وہ خلاف واقع نہیں، چونکہ انبیا کا مرتبہ نہایت بلند ہے، لہذا ایسے امور کے سرزد ہونے کی وجہ سے بھی خائف و لرزاں رہتے ہیں)، لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ کہ وہ ایک ایسے بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے توریت دی (کہ وہ بہت بڑی کتاب ہے) اور ان سے بے واسطہ کلام فرمایا اور انہیں مقرب کیا اور اپنی بارگاہ کا رازدار و محرم بنایا۔ حضور نے فرمایا: پھر آئیں گے وہ حضرت موسیٰ کے پاس، حضرت موسیٰ کہیں گے: میں اس مقام کا اہل نہیں ہوں اور یاد کریں گے اپنی اس لغزش کو کہ ان سے سرزد ہوئی تھی اور وہ ایک قبطی کو مار ڈالنا ہے (کہ قبل نبوت بقصدِ تادیب اسے مُکّا مارا، اتفاقاً وہ اس کے ہلاک کا سبب ہو گیا)، لیکن تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ کہ وہ خاص خدا کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی روح [1] اور اس کا کلمہ ہیں، حضور نے فرمایا: پھر وہ حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے، حضرت عیسیٰ کہیں گے: میں اس مقام میں نہیں ہوں اور اس کام کا اہل نہیں ہوں، لیکن تم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کہ وہ ایک ایسے بندے ہیں کہ ان کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلوں اور ان کے پچھلوں

---

[1] روح اور کلمہ کے معنیٰ صفحہ: ۱۱۳۰ر میں آتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کے گناہ معاف کیے ہیں۔ حضور نے فرمایا: وہ سب کے سب میرے دربار میں حاضر ہوں گے، پھر میں اپنے رب کے نزدیک اس کی سرائے عزت میں آنے کے لیے اذن چاہوں گا (کہ وہ ایک مقام خاص اور جاے مخصوص ہے، اس میں کسی کا دخل و گنجائش نہ ہو گی، اٹھالیا جائے گا اس میں پردہ اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ مقام عرش کے نیچے ہو گا) تو مجھ کو اپنے رب کے نزدیک آنے کی اجازت دی جائے گی، جیسے ہی اپنے رب تعالیٰ وتقدس کو دیکھوں گا سجدہ میں گر جاؤں گا، تو پروردگار جل شانہ مجھ کو سجدہ میں رکھے گا جب تک چاہے گا پھر فرمائے گا سر اٹھاؤ اے محمد! اور کہو جو کُچھ کہتے ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور تمہارا کہنا قبول کیا جائے گا اور شفاعت کرو جس کی چاہو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگو جو کچھ چاہو، تم کو وہ عطا کیا جائے گا۔ حضور نے فرمایا: پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی تعریف کروں گا اس ثنا وتحمید کے ساتھ جو مجھ کو پروردگار تعالیٰ شانہ اسی وقت سکھائے گا (اسی وجہ سے اس کو مقام حمد ومقام محمود کہتے ہیں) پھر میں شفاعت کروں گا تو اللہ عَزَّاِسْمُہٗ میرے لیے ایک حد لگائے گا (یعنی مقرر و مخصوص کر دے گا گناہ گاروں کے گروہ کو شفاعت کے لیے) پھر باہر آؤں گا (درگارِ حضوری سے) اور اس گروہ کو آتش دوزخ سے نکال لاؤں گا اور ان کو بہشت میں داخل کروں گا۔ (اس کے بعد دوسری بار اور تیسری مرتبہ کی شفاعت میں وہی ذکر فرمایا جس کا ابھی ترجمہ گزرا پھر ارشاد ہوا) یہاں تک کہ آگ میں نہ باقی رہے گا مگر وہ شخص کہ اسے کلام مجید نے جنت میں جانے سے روک لیا یعنی وہ شخص جس پر دوزخ میں ہمیشہ رہنا واجب ہوا ہے (اور وہ کافر ہیں) پھر حضور نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی: ’’قریب ہے کہ کھڑا کرے گا تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں (کہ مراد مقامِ مذکور ہے جیسا کہ) فرمایا اور یہی

ہے مقام محمود جس کا خدائے تعالیٰ نے تمہارے پیغمبر سے وعدہ فرمایا ہے۔انتھیٰ خلاصة ترجمة الحدیث۔

توضیح عبارتِ حدیث:"غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر"کی میدان بیان میں آتی ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں مولانا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:"قيل:ما تقدم لأبيه اٰدم وماتأخر من ذنوب أمته، وقيل:المراد أنه مغفور له غير مواخذ بذنب لوكان، وقيل: هو تنزيه له من الذنوب[1].انتهى."

یعنی کہا گیا ہے کہ جو کچھ آگے گزرا آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے اور جو کچھ پیچھے آئے گا آپ کی امت کے گناہوں سے، وہ سب ہم نے معاف کر دیا اور کہا گیا ہے مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی گناہ ہوتا بھی تو اس پر گرفت نہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ آپ کی براءت وپاکی ہے گناہوں سے۔انتہیٰ۔

عقائد کا مسئلہ ہے کہ جملہ پیغمبر تمام کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے پاک ومعصوم ہیں، چہ جائے کہ سید الانبیا حبیبِ مولیٰ تعالیٰ عليه وعليهم أفضل التحية وأكمل الثنا۔

---

(1) مرقاۃ المفاتیح، باب الحوض والشفاعۃ فصل اول، حدیث:۵۵۷۲، جلد:۸، ص:۳۵۴۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۲ھ

ترمذی اور **ابن ماجہ** نے حضرت **عوف بن مالک** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: "قال: قال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أتاني آت من عند ربي، فخيرني بين أن يدخل نصف أمتي الجنة وبين الشفاعة، فاخترت الشفاعة وهي لمن مات لا يشرك بالله شيئا[1]"۔ (مشکوٰۃ صفحہ: ۴۸۶)

یعنی وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: میرے نزدیک میرے پروردگار کے پاس سے ایک آنے والا آیا (مراد حضرت جبرئیل ہوں یا کوئی اور فرشتہ) پھر اختیار دیا مجھ کو اس میں کہ میری آدھی اُمت بہشت میں داخل ہو اور اس میں کہ کل کے لیے شفاعت اختیار کروں، تو میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ میری شفاعت اس کے لیے ثابت ہے جو مر جائے اور خداے تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے۔ (یعنی تمام مومنوں کے لیے)

مشکوۃ شریف صفحہ: ۵۰۳/ میں **مسلم** سے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ: "قال: "قال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: أنا سيد وُلْدِ آدم يوم القيامة، وأول من ينشق عنه القبر، وأول شافع، وأول مُشَفَّع[2]".

یعنی وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: میں سردارِ اولادِ آدم ہوں قیامت کے دن (ظاہر ہے کہ حضور دنیا و آخرت دونوں میں سید البشر ہیں جیسا کہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں: "أنا سيد ولد أدم في الدنيا والآخرة ولا فخر". رواه أبو نعيم عن عبد الله بن عباس رضى الله عنهما یعنی میں دنیا اور آخرت دونوں میں سیّد البشر ہوں اور اس کو فخر کے طور پر نہیں بیان کرتا۔

---

[1] مشکاۃ المصابیح، باب الحوض والشفاعۃ، فصل دوم، ص: ۴۹۴، مجلس برکات، مبارک پور

[2] مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل اول، ص: ۵۱۱، مجلس برکات، مبارک پور

پس روز قیامت کی قید باعتبار ظہورِ آثارِ سیادت و کرامت کے ہے، اُس روز ظاہر ہو جائے گا کہ حضور جمیع صفات کمال میں جمیع مخلوقات سے افضل ہیں) اور میں پہلا وہ شخص ہوں جس سے قبر پھٹے گی (یعنی سب سے پہلے قبر سے میں ہی اٹھوں گا) اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

اسی کے صفحے میں انہیں حضرت ابو ہریرہ سے انہیں **مسلم** نے روایت کی کہ "قال: قال رسول اللہ ﷺ: "أنا أول شفيع في الجنة[1]". الحديث.

یعنی وہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں جنت میں داخل ہونے کے لیے یا درجات کی بلندی کے واسطے۔

اسی کے صفحہ: ۵۰۴/ میں **بخاری و مسلم** سے بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں پانچ چیزیں ایسی دیا گیا ہوں کہ مجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں دیا گیا۔ ایک ان میں سے یہ ہے: "وأعطيت الشفاعة[2]"، اور دیا گیا میں شفاعت عظمیٰ عامہ جو تمام مواطنِ شفاعت کو شامل ہے۔

اسی کے صفحہ: ۵۰۵/ میں **ترمذی** اور **دارمی** سے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مروی ہے کہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، پس رسول اللہ ﷺ دولت خانہ سے باہر تشریف

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل اول، ص: ۵۱۱، مجلس برکات، مبارک پور
(۲) مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل اول، ص: ۵۱۲، مجلس برکات، مبارک پور

لائے یہاں تک کہ جب نزدیک ہوئے تو سنا کہ ہم آپس میں ذکر کر رہے ہیں، بعضوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اوروں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا، اوروں نے کہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۂ خدا ہیں (کہ ایک کلمۂ کن سے بغیر اسبابِ عادی پیدا ہوئے اور گہوارے میں بات کی) اور روحِ خدا ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے روح الامین کو ان کی والدۂ ماجدہ کی طرف بھیجا اور انھوں نے پھونکا، اس سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے) اوروں نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ ذکر کر رہی رہے تھے کہ یکایک حضور وہاں سے نکلے اور ان کے پاس تشریف لاکر فرمایا: ”قد سمعت کلامکم وعجبکم، أن ابراهیم خلیل الله وهو کذٰلك، وموسیٰ نجي الله وهو کذٰلك، وعیسیٰ روحه وکلمته وهو کذٰلك، وآدم اصطفاه الله وهو کذٰلك. ألا، وأنا حبیب الله ولا فخر، وأنا حامل لواء الحمد یوم القیامة، تحته اٰدم فمن دونه ولا فخر، وأنا أول شافعٍ وأول مشفعٍ یوم القیامة ولا فخر، وأنا أول من یحرك حلق الجنة، فیفتح الله لي، فیُدْخِلُنِیها ومعي فقراء المومنین ولا فخر، وأنا أکرم الأوّلین والآخرین ولا فخر[1]“.

یعنی تحقیق میں نے تمہاری باتیں اور تمہارا تعجب کرنا سنا کہ ابراہیم خداے تعالیٰ کے دوست ہیں۔ ہاں! وہ ایسے ہی ہیں اور موسی ہمراز وہمہ کلام خدا کے ہیں اور یہ بھی ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ روح اللہ و کلمۃ اللہ ہیں اور یہ بھی ایسے ہی ہیں اور آدم کو برگزیدہ کیا اللہ تعالیٰ نے اور یہ بھی ایسے ہی ہیں۔ خبر دار اور ہوشیار ہو جاؤ! میں محبوبِ خدا ہوں اور اس پر مجھ کو فخر نہیں، اور میں قیامت کے دن حمد

---

[1] مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل دوم، ص: ۵۱۳، مجلس برکات، مبارک پور

کا نشان وعَلَم اٹھانے والا ہوں جس کے نیچے آدم اور ان کے بعد جتنے پیغمبر ہوئے، سب ہوں گے اور اس پر بھی فخر نہیں، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا مقبول الشفاعۃ ہوں اور اس پر بھی فخر نہیں، اور میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کے حلقوں کے ہلائے گا تو اللہ تعالی میرے لیے بہشت کے دروازے کو کھول دے گا پھر میں بہشت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ مسلمان فقیر ہوں گے اور نہیں ہے فخر، اور میں اللہ تعالی کے نزدیک تمام اگلوں اور پچھلوں سے افضل ہوں اور اس کو بھی فخر کے طور پر نہیں بیان کرتا بلکہ بطورِ شکر و تحدیثِ نعمتِ ربِ عزت کہتا ہوں۔

اسی کے صفحہ ۵۰۶/ میں **دارمی** سے بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ مروی ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أنا قائد المرسلين ولا فخر، وأنا خاتم النبيين ولا فخر، وأنا أول شافع وأول مشفع ولا فخر[۱]".

یعنی میں پیغمبروں کا پیشوا ہوں اور فخر نہیں، اور میں خاتم النبیین ہوں اور نہیں ہے فخر اور میں اول شفاعت کرنے والا اور اول مقبول الشفاعۃ ہوں اور فخر نہیں۔

اسی کے اسی صفحے میں **ترمذی** سے بروایت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إذا كان يوم القيامة؛ كنت أمام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم[۲]".

---

[۱] مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل اول، ص: ۵۱۴، مجلس برکات، مبارک پور
[۲] مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل اول، ص: ۵۱۲، مجلس برکات، مبارک پور

یعنی جب قیامت کا دن ہو گا تو میں پیغمبروں کا امام و پیشوا اور ان کا خطیب و صاحب شفاعت ہوں گا اور اس کو بطور فخر نہیں کہتا۔

اسی کے اسی صفحے میں **ترمذی ودارمی** سے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **فرمایا:** ”أنا أول الناس خروجا إذا بعثوا، وأنا خطيبهم إذا وفدوا، وأنا خطيبهم إذا أنصتوا، وأنامستشفعهم إذا حبسوا، وأنا مبشرهم إذا أيسوا، الكرامة والمفاتيح يومئذ بيدي، ولواء الحمد يومئذ بيدي، وأنا أكرم ولد آدم على ربي، يطوف عليَّ ألف خادم كأنهم بيض مكنون أو لؤلؤ منثور[1]“.

یعنی میں لوگوں میں سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا جب وہ اٹھائے جائیں گے (قبروں سے) اور میں آدمیوں کا پیشوا ہوں جب وہ درگاہِ حق تعالیٰ میں آئیں گے اور میں لوگوں کا خطیب ہوں جب وہ چپ رہیں گے (عذروں سے یعنی پروردگار کی بارگاہ میں شفاعت کا کلام کرنے والا ہوں جب انبیاے کبار سکوت کر دیں گے اور بات نہ کر سکیں گے) اور میں خداے تعالیٰ سے آدمیوں کی شفاعت چاہوں گا جس وقت وہ حبس کیے جائیں گے (اور کھڑے کیے جائیں گے میدان حشر میں) اور میں آدمیوں کو شفاعت کی خوشخبری دینے والا ہوں جب وہ ناامید ہوں گے (اور پیغمبروں سے شفاعت طلب کریں گے اور پیغمبر شفاعت پر پیش قدمی نہ کر سکیں گے اور عذر لائیں گے جیسا کہ حدیث شفاعت میں ذکر ہو چکا) اور عزت اور کنجیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی اور نشانِ حمد اس روز میرے ہاتھ میں ہو گا اور میں اپنے پروردگار کے نزدیک اولاد آدم میں

---

[1] مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل دوم، ص: ۵۱۳، مجلس برکات، مبارک پور

سب سے بزرگ ہوں، ہزار خدمت گار میرے آس پاس پھریں گے (اور میری خدمت کریں گے) گویا وہ خدمت گار بیضہائے پوشیدہ ہیں یا بکھرے ہوئے موتی۔

لكل نبي في الأنامل فضيلة(۱)

وجملتها مجموعة لمحمد

خوبیٔ شکل و شمائل حرکات و سکنات

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ﷺ

دع ماادعته النصارىٰ في نبيهم

واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم

وانسب الى ذاته ماشئت من شرف

وانسب إلى ذاته ماشئت من مظم

(۱) ترجمۂ اشعار: ہو نبی کو مخلوق میں ایک فضیلت حاصل ہے اور وہ سب کے سب حضور ﷺ کی ذات میں جمع ہیں۔
حسن صورت و سیرت، عادت و اطوار، غرض کہ تمام حسینانِ جہاں جو کچھ رکھتے ہیں، وہ تنہا آپ کی ذات میں یکجا ہیں۔
عیسائیوں ان اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ کیا، اسے چھوڑ کر جو تو چاہے ان کی شان میں ثابت کر اور اس پر مضبوطی سے قائم رہ۔
اور ان کی ذات کی طرف جو شرف و بزرگی چاہے؛ منسوب کر اس ان کی ذات کی جانب جو عظمتیں چاہے؛ منسوب کر۔
انہیں خدا نہ پکار بسبب پاس شرع اور حکم دین کے، باقی جو ان کی تعریف و توصیف کرنا چاہے؛ سپرد قرطاس کر۔

مخواں او را از بہر حفظ شرع و حکم دین
دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املا کن

اس حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حدیث **بخاری و مسلم** میں جو بروایت حضرت ابو ہریرہ ہے، ارشاد ہوتا ہے: ”وبينا أنا نائم رأيتني أتيت بمفاتيح خزائن الأرض، فوضعت في يدي[۱]“.

یعنی اس اثنا میں کہ میں سو رہا ہوں، میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں یعنی وہ کنجیاں مجھ کو دی گئیں، پھر میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں ۔انتہیٰ۔

مواہب لدنیہ، جلد اول صفحہ: ۵۲۳/ میں ہے: ”ومنها أنه أُعْطِيَ مفاتيح الخزائن[۲]“ الخ“

یعنی حضور کے بعض مخصوصات سے یہ ہے کہ آپ کو خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔

مدارج النبوۃ، جلد اول صفحہ: ۱۴۸/ میں ہے: ”**دادہ شد آں حضرت ﷺ مفاتیح خزائن وسپردہ شد بوے**[۳]“ الخ۔

---

[۱] مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل اول، ص: ۵۱۲، مجلس برکات، مبارک پور
[۲] المواہب اللدنیہ، مقصد چہارم، فصل دوم، قسم چہارم: ”فیما اختص بہ ﷺ من الفضائل، جلد: ۲، ص ۳۴۸، مکتبہ توفیقیہ، مصر
[۳] مدارج النبوۃ، باب پنجم ”در ذکر فضائل“ خصائص آنحضرت ﷺ، جلد اول، ص: ۱۲۰، نوریہ رضویہ پبلیشنگ، لاہور

یعنی آپ کو خزانوں کی کنجیاں دے کر سونپ دی گئیں یعنی مالک و مختار حضور کر دیے گیے۔

بخاری و مسلم و دیگر **کتب حدیث** میں مختلف روایات کے ساتھ ارشاد نبوی موجود کہ "الله المعطي وأنا القاسم" اللہ دینے والا اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ ان حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ تمام روے زمین کی کنجیاں میرے ہاتھ؛ قیامت میں ابوابِ جنت و خزائنِ رحمت کی کنجیاں میرے ہاتھ؛ ہر نیکی و بہتری، درویشی و توانگری، حسن وخوبی، مسرت و خوشی، انعام واکرام، رحمت ومکرمت، سعادت و شرافت وغیرہ کی تقسیم میرے ہاتھ؛ غرض جس کو جو کچھ ملتا ہے میرے ہی ہاتھ سے ملتا ہے اور ملے گا۔ قیامت کی سختی و مصیبت سے چھڑانا، گناہ بخشوانا، جنت دلانا بھی انہیں کے دست قدرت میں ٹھہرا، جہنم سے نکلوانا، درجات بلند کرانا وغیرہ وغیرہ بھی انہیں کے اختیار میں کر دیا گیا۔ اب تو حقیقتِ شفاعت واذن شفاعت کا حال کھلا، خوب یار رکھو۔

وکلهم من رسول الله ملتمس [۱]
غرفا من البحر أو رشفا من الديم

بر درِ فیضِ تو استادہ بصد عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی حلبی و عربی

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں، ان کے خالی ہاتھ میں

---

[۱] ترجمۂ شعر: اور وہ سب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے دریا سے ایک چلو اور حضور کے بارانِ رحمت سے ایک قطرہ لینے والے ہیں۔ تمھاری بافیض چوکھٹ پر رومی، طوسی، ہندی، حلبی اور عربی سب بصد عجز و نیاز کھڑے ہیں۔

اب تحقیقِ مقامِ محمود منظور و مقصود کہ بحمد اللہ صرف یہی حضور کی شفاعت پر دلیل واضح ہے۔ حدیثِ شفاعتِ بخاری و مسلم سے تو اس کی صفت گزری، اب ایک اور حدیث سے اس کی صفت سناؤں پھر دو چار اقوالِ علماے حدیث و تفسیر معرضِ اظہار میں لاؤں۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ:۵۰۶/ میں ہے:"عن أبي هريرة عن النبیﷺ قال: "فأُكْسىٰ حلة من حلل الجنة ثم أقوم عن يمين العرش، ليس أحد من الخلائق يقوم ذلك المقام غيري". رواه الترمذي، وفی رواية جامع الأصول عنه:"أنا أول من تنشق عنه الأرض، فأُكْسَىٰ[1]".

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: میں وہ پہلا شخص ہوں جس سے زمین کھلے گی پھر جنت کے حُلّوں میں سے ایک حلہ پہنایا جاؤں گا پھر عرش کے داہنے کھڑا رہوں گا۔ مخلوقات سے کوئی ایسا نہیں جو اس مقام میں کھڑا ہو سوائے میرے۔ روایت کیا اس کو **ترمذی** نے اور **جامع الاصول** نے بھی انہیں حضرت ابو ہریرہ سے مگر صدرِ حدیث میں ترمذی کی روایت میں چند لفظ کم اور جامع الاصول کی روایت میں زیادہ ہیں، پس یہی مقام مقام محمود ہے۔

اشعۃ اللمعات میں ہے:"**وتوصیف این مقام بہ محمود یا آنست کہ می ستاید اورا ہر کہ بایستد دروے وبشناسد یا بایں جہت کہ حمد می گوید آں حضرت دراں حق سبحانہ وتعالیٰ راچنانچہ از حدیث معلوم شد یا برائے آنکہ ستودہ می شود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر زبان اولین وآخرین**[2]"۔

---

[1] مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، فصل اول، ص:۵۱۴، مجلس برکات، مبارک پور

[2] اشعۃ اللمعات، باب الحوض والشفاعۃ، فصل اول، ص:۲۰۸، زیر حدیث، انس "ھذا المقام الذی وعدہ نبیکم"

یعنی مقام کی صفت محمود کے ساتھ یا اس معنیٰ کر ہے کہ جو کوئی اس میں کھڑا ہو گا اور اسے پہچانے گا، وہ اس کی صفت کرے گا- یا اس سبب سے ہے کہ اس مقام میں حضور پر نور حق سبحانہ وتعالیٰ کی حمد فرمائیں گے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا- یا اس واسطے ہے کہ حضور کی اس جگہ تمام اگلے اور پچھلے تعریف کریں گے اور آپ کی توصیف میں رطب اللسان ہوں گے۔

بخاری[۱] **وترمذی**[۲] نے تفسیر آیۂ مذکورۂ حدیث میں بیان کیا کہ مقام محمود مقام شفاعت ہے اور اسی پر اربابِ تفسیر اور ائمۂ حدیث نے اتفاق کیا اور یہی احادیث مرفوعہ صحیحہ سے ثابت ہوا۔

معالم التنزیل میں اس آیۂ کریمہ کے تحت ہے:"والمقام المحمود هو مقام الشفاعة لأمته يحمده فيه الأولون والآخرون[۳]".

یعنی مقام محمود وہ مقام شفاعت ہے حضور پر نور کی امت کے واسطے، اس مقام میں اگلے پچھلے آپ کی حمد کریں گے۔

---

(۱) بخاری، کتاب التفسیر، باب:"عسىٰ أن يبعثك" الخ حدیث:۴۷۱۸، جلد:۶، ص:۸۶، مطبوعہ دار طرق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ

(۲) سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب: سورۂ بنی اسرائیل، حدیث:۳۱۳۷، جلد:۵، ص:۱۵۴، مطبوعہ دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ھ

(۳) تفسیر بغوی، سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۷۹، جلد:۳، ص:۱۵۲، داراحیاء التُراث العربی، طبع اول، ۱۴۲۰ھ

تکمیل الایمان لمولانا المحقق الشیخ عبد الحق الدہلوی نور اللہ مرقدہ الشریف صفحہ: ۲۲؍ میں ہے: ”**مقام محمود کہ در دنیاش وعدہ کردہ شدہ بودند کہ** ”عَسٰی اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا“ **جزاورا ایستادن دریں مقام ممکن نباشد۔ بایستد و در سجدہ درر ود**[۱]۔ الخ۔

مقام محمود کہ دنیا ہی میں اس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا، سوائے آپ کے اور کسی کو اس مقام میں کھڑے ہونے کا امکان نہیں۔ آپ کھڑے ہوں گے اور سجدے میں جائیں گے۔

اس کے بعد حدیث شفاعت کا بیان ہے، اس کی چند سطریں قبل تحریر فرمایا ”والشفاعة حق“، یعنی آپ کی شفاعت حق ہے۔

پس صاف واضح ہوا کہ آیت مذکورہ نہایت روشن طور پر دلالت کرتی ہے کہ منصبِ شفاعتِ کبریٰ حضور اقدس ﷺ کے لیے خاص ہے اور اللہ عزوجل نے دنیا ہی میں حضور کی تعیین کی خبر فرمادی کہ یہ مقامِ عظیم تمہارے لیے ہے اور حدیث ترمذی سے حضور کا ارشاد گزرا کہ اس مقام میں میرے سوا کوئی قائم نہ ہو گا، تو ثابت ہوا کہ شفاعت کے لیے حضور ہی متعین ہیں اور یہ منصب حضور ہی کے لیے خاص کر دیا گیا، نہ یہ کہ بات محتمل ہو کہ ابھی معلوم نہیں کون شفیع ہو گا، کل جسے چاہے گا شفاعت کا اذن دیدے گا جیسا کہ وہابیہ کہتے ہیں۔ یہ ان کا قول قرآن عظیم اور احادیث متواترہ اور عقائد اہل سنت سب کے صریح خلاف ہے، جس کی قدرے تفصیل اوپر گزر چکی اور **دنیا میں انہیں اذن شفاعت** ہونا بھی قرآن عظیم اور احادیث کثیرہ سے ثابت۔ رب عزوجل

---

(۱) تکمیل الایمان، ص:۸۵، مطبوعہ الرحیم اکیڈمی، کراچی، ۱۴۲۱ھ

نے ان کو حکم دیا کہ مومنین و مومنات کے گناہوں کی مغفرت چاہو، یہ اذنِ شفاعت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور متواتر حدیثوں سے ثابت کہ وہ اپنی اُمت کے لیے دعاے مغفرت فرمایا کرتے بلکہ اب بھی فرماتے ہیں اور قیامت تک فرمائیں گے، اعمالِ امت ان کے حضور عرض ہوتے ہیں، نیکیوں پر حمدِ الٰہی بجالاتے اور گناہوں پر طلبِ مغفرت فرماتے ہیں، یہ شفاعت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور خود حدیث صحیحین سے گزرا کہ فرماتے ہیں: "أعطيت الشفاعة" مجھے شفاعت عطا فرمادی گئی۔ ہیئے کے اندھے کسی سے آنکھیں قرض مانگ کر دیکھیں کہ "عطا فرمادی گئی" فرمایا- یا عطا ہو گی۔

ابن سعد **طبقات** اور قاضی اسماعیل اور حارث اپنی مسند میں بسند صحیح بکر بن عبد اللہ مزنی سے اور بزار اپنی **مسند** میں بسند صحیح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "حياتي خير لكم ومماتي خير لكم، تعرض عليّ أعمالكم، فما كان من حسن؛ حمدت الله عليه، وماكان من سيئ؛ استغفرت الله لكم[1]".

یعنی میرا دنیا میں تشریف رکھنا بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا تشریف لے جانا بھی تمھارے لیے بہتر ہے۔ تمھارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے تو جو نیکی ہو گی، میں اس پر حمد الٰہی بجالاؤں گا اور جو گناہ ہو گا، میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے اس کی مغفرت چاہوں گا۔

ظاہر ہے کہ یہ شفاعت ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت بے اذن ناممکن تو واجب ہے کہ اذن عطا ہو لیا، وھو المقصود.

---

[1] **(الف)** فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، حدیث، ۳۷۷۰/۳۷۷۱، جلد ۳، ص:۴۰۰/۴۰۱، المکتبۃ التجاریۃ، مصر، ۱۳۵۶ھ۔
(ب) مجمع الزوائد، حدیث: ۱۴۲۵۰، جلد: ۹، ص: ۲۴، مکتبۃ القدسی، مصر، ۱۴۱۴ھ

حرزِ جاں ذکرِ شفاعت کیجئے
نار سے بچنے کی صورت کیجئے

پھیر دیجے پنجۂ دیوِ لعین
مصطفیٰ کے بل پہ طاقت کیجئے

اذن کب کا مل چکا اب تو حضور
ہم غریبوں کی شفاعت کیجئے

حق تمھیں فرما چکا اپنا حبیب
اب شفاعت بالمحبت کیجئے

آپ درگاہ خدا میں ہیں وجیہ
ہاں شفاعت بالوجاہت کیجئے

چشم ترحم ز تو داریم ما
قبلہ توئی روبکہ آریم ما[1]

---

[1] ترجمہ: ہم آپ سے رحمت کے امیدوار ہیں، آپ ہی ہمارا قبلہ ہیں، ہم آپ کے سوا کدھر رخ کریں۔

حاجتِ ما از تو ہر آید تمام
دامنت از کف نہ گزاریم ما[1]

تم شافعِ روزِ جزا، تم دافعِ کرب وبلا
تم بے کسوں کے ملتجا، تم مونسِ بے چارگاں

عصیاں مرے حد سے سوا، ہیں گرچہ لیکن غم ہے کیا
تم سا مجھے شافع ملا، ہے شکرِ خلّاقِ جہاں

پوچھو گے جب مجھ سے وہاں، کیا کیں ہیں تو نے نیکیاں
کرتا ہوا آہ وفغاں، کھولوں گا یوں بابِ بیاں

سب عمر غفلت میں کٹی، کچھ فکرِ زادِ رہ نہ کی
اس کا سبب تھا بس یہی، تم ہو شفیعِ مذنباں

بات تو واقعی یہ ہے جس کو **تکمیل الایمان** صفحہ: ۲۲/ میں تحریر کیا ہے جس کا خلاصہ وصاف ترجمہ یہ ہے:-

”وہ روز محمد علیہ الصلاۃ والسلام کا روز ہے اور جگہ آپ کی جگہ اور مقام آپ کا مقام اور بات آپ کی بات۔ وہ مہمان اور دوسرے طفیلی ہیں۔ قرآن عظیم میں خطاب ہوتا ہے:”وَ لَسَوْفَ

---

[1] ترجمہ: ہماری تمام حاجتیں آپ کے در سے پوری ہوتی ہیں، تمھارا دامن ہم کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔

یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی" اے محمد! اے میرے محبوب! اے میرے مطلوب! اے میرے خاص بندے! اس قدر نعمتیں دوں گا اور رحمت کروں گا کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے گا، میری طرف سے تیرے دل میں کوئی آرزو نہ رہے گی۔ اے محمد! تمام آدمی میری رضا طلب کرتے ہیں اور میں تمہاری رضا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں راضی نہ ہوں گا جب تک ایک ایک کو میری امت سے نہ بخشے گا "أمتي مُذْنِبَة ورب غفور" میری امت تو گناہ گار ہے اور تو ہی بخشنے والا، یہ امید وبشارت گناہ گاروں کے واسطے کافی وبس ہے۔ جو مہمان عزیز ہے؛ طفیلی بھی عزیز ہوں گے۔ تو ان کا امتی ہو جا اور اپنا سارا معاملہ انہیں کو سونپ دے پھر سب کچھ آسان ہے، جب تک یہ نسبت یعنی امتی ہونا صحیح ودرست نہیں ہوا ہے اسی وقت تک مشکل ہے، اس کے بعد کوئی بھی مشکل نہیں۔ لاکھوں گناہ ایمان بہ محمد ﷺ کے مقابلے میں ایک تنکے کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ نورِ ایمان اگر بندے کے دل میں آگیا ہے تو گناہوں کی اندھیری اس دل میں قرار نہیں پکڑ سکتی، ایمان کا غم کھانا چاہیے دوسرا کوئی غم نہیں۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ ان کی تمام رات گریہ وزاری وفریاد وبے قراری میں کٹی۔ عرض کی: کیوں روتے ہو؟ خوشی کرو کہ گناہوں کا بوجھ آپ کی گردن پر نہیں۔ فرمایا: گناہ اگر چہ پہاڑ کے برابر ہوں، رحمتِ پروردگار کے نزدیک ایک تنکے کے برابر بھی نہیں۔ رونا اس لیے اور بے قراری اس واسطے ہے کہ ایمان سلامتی کے ساتھ لے جاؤں گا یا نہیں۔

ایمان چو سلامت بہ لبِ گور بریم
احسنت بریں چستی وچالاکی ما[1]

---

[1] ترجمہ: جب میں قبر میں ایمان کی سلامتی کے ساتھ جاؤں گا تو مجھے اپنی چستی اور تیاری پر خوشی ہو گی

بیـــروں ز گور لافِ کرامت چہ می زنی
ایمان اگر بہ گور بری صد کرامت است [۱]

حاصل کلام و خلاصۂ مرام یہ ہے کہ حضور ﷺ کی شفاعت کا حق ہونا آفتاب سے زیادہ ظاہر اور دنیا ہی میں اس کے اذن کے مل جانے کا ثبوت ماہتاب سے زیادہ زاہر، اس پر قرآن شریف شاہد، احادیث بکثرت وارد، یہی عقیدۂ اہل سنت وجماعت، یہی سبیل موصل الی الجنۃ، اس میں چوں وچرا کرنا عبث ولایعنی، قیل وقال بالکل بے کار وبے معنی۔ معتزلہ نے جو انکارِ شفاعت کیا تو علماے کرام نے ان کے رد میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ جو شخص ان کے رد پر اطلاع چاہے، وہ شرح مقاصد وشرح مواقف وغیرہ کی طرف رجوع لائے۔

پس صاف واضح ہوا کہ وہابیہ نہ قرآن کریم کو مانتے نہ احادیث واجماع کو قابل عمل واستناد جانتے، اسی پر محمدی وعامل بالحدیث ظاہر کرنے کا شوق وسرور

ع برعکس نہند نام زنگی کافور

تنبهوا أيها الوهابيون كذٰلك العذاب، ولعذاب الاٰخرة أكبر لو كانوا يعلمون۔

بروز حشر شود ہمچو صبح معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور [۲]

---

[۱] ترجمہ: قبر سے باہر کرامت کی کیا ڈینگیں مارتا ہے؟ اگر تو ایمان قبر میں لے جاتے تو یہ سو فیصد کرامت ہے

[۲] ترجمہ: میدان محشر میں تجھے روزِ روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اندھیری رات میں عشق بازی کرنے والا کس کے ساتھ ہے؟

اس مختصر تحریر کو دیکھنے کے بعد بھی کیا کوئی مسلمان حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ماذون الشفاعۃ ہونے میں انکار کر سکتا ہے؟ انکار تو انکار شبہہ تک نہیں لا سکتا اور جن کے دلوں میں سرے سے ایمان ہی نہیں، وہ نہ قرآن شریف سے ہدایت پا سکتے ہیں نہ احادیث سے راہ راست پر آسکتے ہیں۔ومن يضلل الله فلا هادي له۔

کرے گمراہ جس کو رب اکبر
اسے کیوں کر کوئی لائے گا رہ پر

ازل سے پی چکا جام ضلالت
نہ ہو گا ہوش میں وہ تا قیامت

او گستاخ وسفاک! خوب یاد رکھ کہ اس کونین کے دولھا، پیغمبروں کے ماویٰ، ہم گناہ گاروں کے ملجا، مجرموں کے ملتجا، بے وسیلوں کے وسیلہ، بے کسوں کے مولیٰ، غم زدوں کے غم رُبا، مومنوں کے آقا، شفیعِ روزِ جزا، دافعِ کرب وبلا، ناتوانوں کے پشت وپناہ، مختارِ بارگاہِ الٰہ، محبوبِ رب العالمین، سید الانبیاء والمرسلین، انیس الغریبین، رئیس الاولین والآخرین، سلطان السلاطین صلّی اللہ تعالیٰ علیه وعلی جميع الأنبيا والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين کی بغیر شفاعت کے ہر گز ہر گز بیڑا پار نہ ہو گا، اس دن کوئی کسی کا یار و مدد گار نہ ہو گا، باپ بیٹے سے فرار کرے گا، تمام اگلے پچھلے انہیں کی طرف رجوع لائیں گے، وہ سب کی فریاد رسی فرمائیں گے۔

نہ کیوں کر ہو اس ہاتھ میں سب خدائی
کہ یہ ہاتھ تو ہاتھ ہے کبریا کا

لاریب وہی کام آئیں گے، وہی بگڑی بنائیں گے، وہی اس سخت مصیبت سے چھڑائیں گے، وہی بیڑا پار لگائیں گے، وہی جنت دلائیں گے، وہی دوزخ سے بچائیں گے، اور تو ان کی جنابِ قادس وبار گاہ عالی میں گستاخی وبے ادبی سے پیش آنا، شفاعت وغیرہ کا انکار زبان پر لاتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ روسیاہی ہاتھ آئے، جہنم ٹھکانا قرار پائے، ابدالآباد تک پچتائے، پھر افسوس اور پچتانا ہر گز کام نہ آئے گا، اپنے کیے کی سزا ضرور پائے گا۔

ع دریغ سود ندارد چو رفت کار از دست [1]

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی
نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے
کافروں و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی
ذکر روکے، فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی
تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی

او غافل ونادان! ابھی دن باقی ہے، ہوشیار ہو جا، توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اپنی حرکتوں سے باز آ، ان کا بندہ بن جا، ان کے عطرِ محبت سے دل ودماغ کو بسا، ان سے نسبت معنوی پیدا کر، اپنا سر ان کے قدموں سر دھر، پھر نہ عالم برزخ کا ڈر، نہ روز حشر کا مطلق خوف وخطر، ہر جگہ آسانی ہی کا سماں پیش

---

(1) ترجمۂ شعر: جب کام ہاتھ سے نکل گیا تو پھر افسوس کا کوئی فائدہ نہیں۔

نظر ورنہ تو جانے اور تیرا دین وایمان، والهداية من الله العزيز المنان۔ خوب یاد رکھ اور اس پر یقین کامل لا۔

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں [1] نعمت رسول اللہ کی
اسی سرکار سے دنیا و دین ملتے ہیں سائل کو
یہی دربارِ عالی کنزِ آمالی و امانی ہے
صَلِّ عَلیٰ صَلِّ عَلیٰ کیا جود ہے اور کیا سخا
جو کچھ ملا، جس کو ملا، وہ سب اسی سرکار سے
دونوں جہاں کی نعمتیں، سب ہیں انھیں کے ہاتھ میں
جملہ خزانوں کی انھیں خالق نے بخشیں کنجیاں
آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ
صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے

فالحمد لله العلي الأكبر، والصلاة والسلام على شافع يوم المحشر، وعلى أله وصحبه وأتباعه أجمعين. برحمتك يا أرحم الراحمين.

---

[1] یہاں کتاب کی عبارت یوں ہے: ''بٹ رہی ہے رات دن نعمت رسول اللہ کی'' ہے۔ مگر حدائق بخشش کے موجودہ تمام نسخوں میں بجائے اس کے یوں لکھا ہے: ''بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی''۔ لہذا ہم نے موجودہ نسخوں کے مطابق اس مصرع کو کر دیا ہے۔ (مفتی مزمل)

سوال چہارم

مسئلہ تقلید میں ہم کو چند امر عرض کرنا ہے، ہر امر کا جواب جدا جدا مرحمت ہو (۱) تقلید کس کو کہتے ہیں؟ (۲) تقلید چاروں اماموں کی واجب ہے یا نہیں؟ (۳) ان چاروں میں سے ایک کو تقلید کے لیے خاص کر لینا کیسا ہے؟ اور کس نے خاص کیا؟ اور کب خاص کیا؟ (۴) کوئی شخص چاروں مذہبوں کو حق جانے مگر مذہب معیّن کی تقلید نہ کرے، جس مسئلے میں جس مذہب کو چاہے اختیار کر لیا کرے، ایسے شخص پر کوئی شرعی خرابی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ (۵) جب یہ چاروں مذہب والے نہ تھے تو ان کے پہلے لوگ کس کی تقلید کرتے تھے؟ جس کی وہ لوگ تقلید کرتے تھے اگر آج بھی کوئی شخص اسی کی تقلید کرے تو اس شخص پر کسی طرح کا الزام شرعی ہے یا نہیں؟ (۶) صحابہ مقلد تھے یا مجتہد؟ (۷) صحابہ کے مذہب پر عمل نہ کرنے اور ان چاروں مذہبوں پر عمل کرنے کی کیا وجہ اور ان (چاروں مذہب) کے نکلنے کا کیا سبب ہوا؟

جواب سوال چہارم

بحول الله وحسن توفيقه، ہر امر کا جواب جدا جدا بقدر ضرورت سلسلۂ تحریر میں آتا ہے۔

جواب امر اول: تقلید کے معنی، مان لینا قول غیر کا بغیر معرفت دلیل خاص کے جیسا کہ علامہ سمہودی نے **عقد فرید** میں فرمایا:

”التقليد قبول قول الغير بأن يعتقد من غير معرفة دليله[1]“.

---

[1] العقد الفرید فی أحکام التقلید (مخطوطہ) از حضرت علّامہ نورالدین سمہودی، ص:۲، مسئلہ اولی

جواب امر دوم: یہ بات ظاہر ہے کہ دلیل کی معرفت ہر ایک کو نہیں ہو سکتی، دلیلوں کا جاننا پہچاننا خاص مجتہدوں کا کام اور انہیں کا حصّہ ہے تو غیر مجتہد کو مسائل اجتہادیہ میں سوائے تقلید کے مفر نہیں اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم وفاضل ہو، اس پر بھی تقلید واجب بلا کلام۔ اور فرضیتِ تقلید پر شہادت کلام قادر علام: "فَسْـئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[1]"، یعنی پوچھو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے ہو، "أهل الذكر" سے مراد کتب آسمانی کے جاننے والے، تواریخ ماضیہ پر ماہر وواقف اور علمائے احبار ہیں "كما ذكره في المدارك[2] والكشاف وغيرهما من كتب التفاسير[3]" اس لیے کہ یہ آیت شبہۂ مشرکین کے جواب میں اتری، وہ انکار نبوت امام الانبیاء الکرام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام کرتے اور کہتے تھے کہ رتبۂ حق جل وعلا اس سے برتر واعلی ہے کہ اس کے رسول بشر ہوں۔ اس کہنے سے ان کے مطلب کا خلاصہ یہ کہ حضور تو بشر ہیں اور بشر کو اللہ تعالیٰ نبی نہیں کرتا تو حضور پیغمبر نہیں۔ پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے اس شبہے کو اپنے اس ارشاد اقدس سے دفع فرمایا کہ "وَ مَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ فَسْـئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (اور نہیں بھیجا ہم نے تمہارے پہلے مگر مردوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے، پس پوچھ دیکھو ذکر والوں سے اگر تم نہیں جانتے ہو) یعنی اہلِ کتاب واصحابِ تواریخِ ماضیہ توریت وانجیل وغیرہ کے

---

(۱) پ۱۴، سورۂ نمل، آیت: ۴۳
(۲) تفسیر مدارک، زیر آیت "فسئلوا أهل الذكر" الخ، جلد ۲، ص: ۲۱۴، دار الکلم الطیب، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ
(۳) تفسیر کشاف، زیر آیت مذکورہ، جلد ۲، ص: ۶۰۷، دار الکتاب العربی، بیروت، طبع سوم، ۱۴۰۷ھ

جاننے والوں سے تم دریافت کرلو کہ ہم نے کوئی رسول سوائے مردوں کے نہیں بھیجا، پھر اپنے اسی داب و سنت کے موافق ہم نے اپنے حبیب کو بھی مرتبۂ رسالت ورتبۂ نبوت عطا فرمایا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ بہت سی آیتوں کا مَوْرِد خاص اور حکم عام ہوتا ہے تو یہ آیت بھی اگرچہ دفعِ شبہۂ مشرکین میں مخصوص محل پر اتری مگر باعتبار عموم کے کہ وہ نہ جاننا امر محتاج الیہ فی الدین کا اور دریافت و تحقیق کرنا ہے اس امر کے جاننے والوں یعنی علما سے، لہٰذا محققین نے بنظرِ عموم لفظ کے حکم دیا کہ جس وقت کسی مسلمان کو کوئی امر دینی نہ معلوم ہو تو اس کے جاننے والوں اور اس کے ماہرین کی طرف رجوع لائے اور ان سے سیکھے اور سیکھنا مسائل مستنبطہ کا مجتہدین سے تقلید ہی کے طور پر ہوگا یعنی ان کے اقوال کو بغیر معرفت دلیل کے ماننا پڑے گا، اس لیے کہ وہ دلیل کے جاننے پہچاننے پر قدرت نہیں رکھتا، اس سے بالکل عاجز و محض ناآشنا۔ پس اسی کا نام تقلید اور یہ واجب عند المحققین بالیقین ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اب مصداق "أهل الذكر" کے یہی چاروں مذہب والے ہیں، تو لامحالہ جب کسی کو کسی امر دینی میں سوال کی حاجت پڑے گی تو انہیں چاروں کی طرف رجوع لائے گا اور انہیں چاروں مذہب پر بے دھڑک عمل کرلے گا، اس لیے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ ان کے مخالف جو مذہب ہیں ان پر ہرگز عمل نہ کیا جائے، حق انہیں چاروں میں دائر و محصور، ان کے سوا جتنے مذہب ہیں، سب منقرض و متروک و مہجور۔ لہٰذا "اهل الذكر" کے مورد و مصداق باجماع علمائے امت، ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ محققین کا یہاں تک اجماع ہو چکا کہ اکابر

مجتہدینِ صحابہ تک کی تقلید سے عوام کو باز رکھا جائے اور منع کر دیا جائے، چہ جائے کہ اور مذہب والے،فافهم وتدبر۔

پہلے ثبوت **مسلم الثبوت** سے سنو:"قال الإمام:أجمع المحققون على منع العوام من تقليد أعيان الصحابة، بل عليهم اتباع الذين سبروا وبوبوا ونقحوا وجمعوا وفرقوا وعللوا وفصلوا، وعليه بنى ابن الصلاح منع تقليد غير الأربعة لأن ذٰلك لم يدر في غيرهم[1]".

یعنی امام نے کہا کہ محققین نے عوام کو اکابر صحابہ کی تقلید سے منع کرنے پر اجماع کیا بلکہ ان پر ان لوگوں کا اتباع اور پیروی کرنا واجب ہے جنھوں نے تعمق نظر سے کام لیا اور باب باب کر کے جہاں کا جو مسئلہ تھا، اس کو وہیں درج کیا اور ہر مسئلہ کو اس کے غیر سے منقح کیا اور ہر مسئلہ کو اس کے جامع کے ساتھ جمع کیا اور فارق کے ساتھ تفریق کی اور ہر ہر مسئلہ کی علت بیان کی اور تفصیل کی۔اور اسی پر واضعِ اصولِ حدیث، محدث یگانہ علامہ ابن صلاح نے سوائے ائمۂ اربعہ کے اوروں کی تقلید سے منع کرنے کو مبنی کیا کیوں کہ یہ امور مذکورہ سوائے ان کے اوروں میں نہ پائے گئے۔انتہیٰ۔

مولانا عبد العلی بحر العلوم نے شرح **مسلم الثبوت** میں ائمۂ اربعہ کے سوا اوروں کی تقلید کی ممانعت پر یہ وجہ تحریر فرمائی:"لأنه لم يبق رواية مذهبهم محفوظة[2]"،یعنی اس لیے کہ اوروں کے مذہب کی روایت محفوظ نہ رہی۔

---

(۱) مسلم الثبوت، جلد ۲، ص:۳۵۶/۳۵۷، مطبعہ حسینیہ، مصر، ۱۳۲۶ھ

(۲) فواتح الرحموت، جلد ۲، ص:۴۳۹، خاتمہ:"فی الاجتھاد والتقلید" دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۳ھ

الاشباہ والنظائر میں ہے: "من خالف الأئمة الأربعة، فهو مخالف للإجماع[1]".

یعنی جس نے ائمہ اربعہ کی مخالفت کی، تو وہ اجماع کا مخالف ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے: "فإن أهل السنة والجماعة قدافترق بعد القرون الثلاثة أو الأربعة على أربعة مذاهب، ولم يبق في فروع المسائل سوىٰ هذه المذهب الأربعة، فقد انعقد الإجماع المركب على بطلان قول يخالف كلهم[2]".

یعنی بے شک تیسرے یا چوتھے قرن کے بعد اہل سنت و جماعت چار مذہبوں پر بٹ گئے اور فروع مسائل میں سوائے اِن چار مذہبوں کے کوئی مذہب باقی نہ رہا، تو بے شک اجماع مرکب منعقد ہو گیا اس قول کے باطل ہونے پر جو ان چاروں مذاہب کے مخالف ہو۔

عقد فرید میں علامہ سمہودی شافعی رحمہ اللہ افادہ فرماتے ہیں: "نقل إمام الحرمين عن المحققين امتناع تقليد العوام للصحابة رضوان الله عليهم أجمعين، وإن كانوا أجل قدر لارتفاع الثقة بمذاهبهم إذ لم تُدَوَّنْ ولم تُحَرَّرْ، بخلاف مذاهب الأئمة الذين لهم أتباع، وبه جزم ابن الصلاح وزاد أنه لايقلد التابعين أيضاً ولاغيرهم ممن لم يدون مذهبه، وإن التقييد متعين للأئمة الأربعة دون غيرهم، لأن مذاهبهم انتشرت حتى ظهر تقييد مطلقها وتخصيص عامها بخلاف غير هم".

---

[1] اشباہ و نظائر مع غمز العیون، جلد اول، ص:۳۳۳، النوع الثانی من القواعد، التنبیہ الخامس، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۴۰۵ھ

[2] تفسیر مظہری، زیر آیت "ولایتخذ بعضنا بعضا اَربابا" الخ، سورۂ آل عمران، جلد ۲، ص:۶۷/۶۸، مکتبہ رشیدیہ، پاکستان، ۱۴۱۲ھ

وقال محقق الحنفية الكمال ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ:”نقل الإمام أي الفخر الرازي رحمه الله تعالىٰ إجماع المحققين علىٰ منع العوام من تقليد أعيان الصحابة، بل يقلدون من بعدهم الذين سبروا وضعوا ودونوا. وعلىٰ هذا ماذكره بعض المتأخرين من منع تقليد غيرالأربعة لانضباط مذاهبهم وتقييد مسائلهم وتخصيص عمومها، ولم يدر مثله في غيرهم لانقراض أتباعهم، وهو صحيح[1]“. انتهىٰ ملخصاً.

یعنی امام الحرمین نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید سے عوام کی ممانعت کو محققین سے نقل کیا اگرچہ صحابہ کی قدر و مرتبہ اعظم ہے، اس لیے کہ ان کے مذہبوں پر اعتماد اور بھروسہ نہ رہا، اور اعتماد باقی نہ رہنے کا یہ سبب کہ ان کے مذہب نہ جمع ہوئے نہ لکھے گئے، بخلاف مذاہبِ ائمۂ اربعہ کے جن کے لاکھوں تابع دار ہیں، اور اسی پر علامہ ابن الصلاح علیہ الرحمہ نے جزم کیا اور اس پر اتنا اور زیادہ کیا کہ عوام تابعین وغیرہم کی بھی تقلید نہ کریں جن کا مذہب جمع نہ ہوا، اور بے شک ائمۂ اربعہ ہی کی تقلید متعین ہے نہ ان کے غیر کی، اس لیے کہ ائمۂ اربعہ کے مذاہب روے زمین پر پھیل گئے۔ یہاں تک کہ ان کے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص ظاہر ہوگئی، بخلاف غیر ائمۂ اربعہ کے کہ ان کے مذہبوں میں یہ بات نہیں، وہ مجمل ہی رہے۔ اور حنفیوں کے بہت بڑے محقق علامہ کمال الدین ابن الہمام علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقلید اکابر صحابہ سے ممانعتِ عوام پر محققین کا اجماع نقل کیا بلکہ وہ بعد والوں کی تقلید کریں، اور بعد والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے تعمق نظر سے مسائل دینیہ میں کام لیا اور قواعد وضع کیے اور مسائل جمع فرمائے اور اسی بنا پر بعض

[1] العقد الفرید (مخطوطہ)، ص:۴۶/۴۷، مسئلۂ سابعہ کا تتمہ

متاخرین نے تقلید غیر ائمہ اربعہ سے منع کیا۔ وجہ یہ کہ ائمہ اربعہ کے مذہب منضبط ہو گئے اور ان کے مذاہب کے مسئلے قید تحریر میں آگئے اور احکامِ عموم کی تخصیص ہو گئی اور یہ باتیں غیر مذاہب اربعہ میں نہ پائی گئیں ان کے تابع داروں کے ختم ہو جانے کے سبب، سے اور یہ صحیح ہے. انتھیٰ .ترجمته مع توضیح.

طحطاوی حاشیۂ در مختار میں ہے:"فعليكم يا معشر المومنين باتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة، فإن نصرة الله تعالىٰ وتوفيقه في موافقتهم، وخذلانه وسخطه ومقته في مخالفتهم، وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الأربعة، هم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون، ومن كان خارجا من هذه المذاهب الأربعة في ذلك الزمان؛ فهو من أهل البدعة والنار(۱)".

یعنی اے گروہ اسلام! تم پر نجات والے گروہ کی پیروی واجب ہے جو اہل سنت و جماعت کے ساتھ موسوم ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق اہل سنت و جماعت کی موافقت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد نہ کرنا اور ناخوشی و غضب اہل سنت کی مخالفت میں ہے اور یہ نجات پانے والا گروہ اہل سنت تحقیق آج مجتمع ہو گیا ہے چار مذہبوں میں اور وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں اور جو شخص کہ ان چاروں مذہبوں سے اس زمانے میں خارج ہے، تو وہ اہلِ بدعت و نار سے ہے۔ انتہیٰ۔

ان تمام عبارات مذکورہ سے بکمال توضیح و تنقیح مثلِ آفتاب روشن و ظاہر ہوا کہ تقلید ائمہ اربعہ پر اتفاقِ اہل سنت و اجماعِ امت منعقد ہو گیا حتیٰ کہ اکابرین محققین نے اجلۂ صحابہ تک کی تقلید سے

---

(۱) طحطاوی علی الدر المختار، کتاب الذبائح، جلد ۴، ص: ۱۵۳، مکتبہ عامرہ، مصر، طبع سوم، ۱۳۸۲ھ

منع فرمادیا، اور اہل سنت و جماعت یہی چار مذہب والے اور یہی نجات پانے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق انہیں کے شامل حال ہے، جو ان سے جدا ہے وہ بدعتی و جہنمی اور اجماع کا مخالف ہے، اور اجماع گمراہی پر ہرگز نہیں ہو سکتا جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا: "لاتجتمع أمتي على الضلالة" میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی تو تقلید ائمۂ اربعہ ہی صراط مستقیم و سبیل مومنین ہے، جو اس سے الگ ہوا وہی دوزخی بالیقین؛ موافقِ حکمِ احکم الحاکمین ہے جیسا کہ فرمایا: "وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا" اور جو کوئی پیروی کرے گا غیر راہ مومنین کی؛ سپرد کریں گے ہم اس کو وہ جو اختیار کیا اس نے اور ڈال دیں گے ہم اس کو جہنم میں اور وہ برا ٹھکانہ ہے "أعاذنا الله منها". پس بحکم محکم رب العٰلمین وبفرمان سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین وبارشادات محققین وبتصریحات علمائے کاملین؛ تمام غیر مقلدین مقلدانِ شیاطین خارج از اہل سنت و جماعت، ومتبع غیر سبیل اہل رشد و ہدایت، وبدعتی و دوزخی ٹھہرے۔

جواب امر سوم: اس کو بھی جمہور محققین علمانے واجب قرار دیا۔ تمام جہاں کے اہل سنت نے مذہب معین کو تقلید کے لیے خاص کر لیا، جب مجتہدین کے مذہب شائع ہوئے؛ اسی وقت سے خاص کر لیا جس کی تحمین غیر مقلدین کے خاص مستند و معتمد علیہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اپنے رسالہ **"انصاف"** میں تحریر کرتے ہیں: "وبعدالمائتين ظهر بينهم التمذهب للمجتهدين

بأعيانهم، وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه، وكان هذا هو الواجب فى ذٰلك الزمان[1]".

یعنی دو صدی کے بعد مسلمانوں میں خاص مجتہدین کے ایک مذہب کو اختیار کرلینا ظاہر وشائع ہوا اور کم کوئی شخص تھا جو ایک مجتہد کے مذہب معین پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہی واجب تھا اس زمانے میں۔ انتہیٰ۔

شاہ صاحب نے تینوں باتوں کا جواب ختم کر دیا **(۱)** امام معین کی تقلید کا وجوب۔ **(۲)** گنتی کے چند آدمیوں کے سوا اس پر تمام روے زمین کے مسلمانوں کا عمل درآمد اور انہیں سب نے خاص کرلیا۔ **(۳)** دو صدی کے بعد تقلید شخصی شائع ہو گئی اور اس وقت سے آج تک وجوب چلا آتا ہے۔ واہ یہ تو خوب ہوا کہ غیر مقلدین ہی کے معتمد علیہ صاحب نے ان کے خیال پر پانی پھیر دیا، تمام خرمنِ خرافات کو ایک ذرا سی چنگاری سے جلا کر خاکستر کر دیا، ایک زمانے کا اندوختہ سرمایہ سب کا سب ایک پھونک میں برباد ہوا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر میں آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

---

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص:۲۹/ ۳۰، مکتبہ حقیقت، استنبول

عالم اجل، فاضل اکمل، عارف ربانی سیدنا امام عبد الوہاب شعرانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کہ پیشوائے غیر مقلدین مولوی نذیر حسین دہلوی نے ان سے کتاب ”معیار“ میں جابجا استناد کیا، اپنی کتاب مستطاب **میزان الشریعۃ الکبریٰ** میں افادہ فرماتے ہیں:

”وکان سیدي علي الخوّاص رحمه الله تعالىٰ إذا سأله إنسان عن التقيد بمذهب معين الاٰن، هل هو واجب أم لا؟ يقول له: يجب عليك التقيد بمذهب مادمت لم تصل إلىٰ شهود عين الشريعة الأولىٰ خوفا من الوقوع في الضلال، وعليه عمل النا س اليوم[1]“.

یعنی اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ جب ان سے اس بارے میں کوئی سوال کرتا کہ اس وقت میں تقلید مذہب معین کی واجب ہے یا نہیں، تو آپ اس کے جواب میں فرماتے: تجھ پر مذہب معین کی تقلید واجب ہے جب تک شریعت کے چشمۂ اول کی حضور تک نہ پہنچے یعنی جب تک کمالِ ولایت و نظرِ کشف و شہود سے مرتبۂ اجتہاد حاصل نہ ہو، اس وقت تک دائرۂ تقلیدِ امام معین سے قدم باہر نہ نکالے کہ گمراہی میں پڑ جانے کا ڈر ہے اور اسی پر آج لوگوں کا عمل ہے۔ انتہیٰ۔

اس عبارت کے سات صفحوں کے بعد دادِ تحقیق دیتے اور تقلید شخصی کے واجب ہونے پر جو ائمۂ محققین ہیں، ان میں سے بعض کے نام لیتے ہیں:

---

(۱) میزان الشریعۃ الکبریٰ، مقدمہ، فصل: ”لا یلزم من تقید کامل من الأولیاء“ الخ، ص:۹۱، ناشر: طلبہ جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۱۴۴۰ھ

”وبه صرح إمام الحرمين وابن السمعاني والغزالي والكياالهراسي وغيرهم وقالوا لتلامذتهم: ”يجب عليكم التقيد بمذهب إمامكم الشافعي، ولا عذرلكم عند الله في العدول عنه“ ١٠ھ.

ولاخصوصية للإمام الشافعي في ذٰلك عند كل من سلم من التعصب بل كل مقلد من مقلدي الأئمة يجب عليه اعتقاد ذلك في امامه. انتهىٰ بقدرالضرورة“.[1]

یعنی اور اسی کی تصریح کی امام الحرمین اور امام ابن السمعانی اور امام غزالی اور امام کیا الہراسی اور ان کے سوا اور اماموں نے، اور اپنے اپنے شاگردوں سے ان اماموں نے فرمایا کہ تم پر تقلید واجب ہے امام شافعی کے مذہب معین کی اور اپنے خاص امام کی تقلید سے نکل جانے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہو گا۔

جو کوئی تعصب سے سالم رہا اس کے نزدیک کوئی خصوصیت امام شافعی کی اس امر میں نہیں بلکہ چاروں اماموں کے مقلدین سے ہر ایک مقلد پر اپنے اپنے امام کے حق میں یہ اعتقاد واجب ہے۔ یعنی اپنے ہی امام کے قول کو تمام ائمہ کے اقوال پر ترجیح دے اور تمام اقوال میں خاص اپنے ہی امام کی تقلید کرے۔ انتہیٰ۔

صاحب دُرِّ مختار وصاحب فتاویٰ سراجیہ نے اس شخص کے واسطے جو اپنے امام کی تقلید سے نکل کر دوسرے امام کی تقلید اختیار کرے، سزا تجویز فرمائی جیسا کہ در مختار میں سراجیہ سے

---

[1] میزان الشریعۃ الکبریٰ، مقدمہ، فصل: ”مما یؤید ھذا الایمان“ الخ، ص: ۱۰۳/ ۱۰۴، ناشر: طلبہ جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۱۴۴۰ھ

ہے:"حنفي ارتحل إلى مذهب الشافعي يعزر[1]". **مثلاً:** ایک حنفی ہے کہ وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر مذہب شافعی کی طرف نقل کر گیا تو اس کو سزا دی جائے۔ انتہیٰ۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلمیذِ خاص حضرت یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کہ جامع مؤطا امام مالک ہیں اور نہایت پرہیز گار اور علوم و فنون میں بحر زخار حتی کہ قوتِ اجتہادی ان میں موجود تھی، تاہم اپنے امام مالک کی تقلید پر قائم و مضبوط تھے، صرف چار مسئلوں میں تقلید امام مالک کو ترک کیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام علمائے مدینہ طیبہ و فضلائے مغرب ان پر طعن فرماتے اور ان کی اس قلیل مخالفتِ امام کو بھی معیوب جانتے تھے۔ جیسا کہ شاہ عبد العزیز صاحب **"بستان المحدثین"** میں تحریر کرتے ہیں:

"نوشتہ اند کہ یحییٰ بن یحییٰ در ہر مسئلہ اتباعِ اجتہادِ امام مالک لازم گرفتہ بود، مگر در چہار مسئلہ کہ مذہبِ ابن سعد مصری را اختیار می کرد و مردمِ آں دیار بسبب کمالِ اعتقادِ حضرت امام مالک دریں مخالفت قلیلہ ہم برو گرفت می کردند و انکار می نمودند[2]۔ انتہیٰ مختصراً۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو صدی کے قبل ہی تقلیدِ امام معین شائع ہو گئی تھی اور اس کو لوگوں نے اپنے اوپر لازم پکڑ لیا تھا، اس لیے کہ ولادت امام مالک ۹۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۷۹ھ میں پائی۔ نیز اس سے اور اوپر کی عبارتوں سے ظاہر ہوا کہ تمام جہان کے مسلمان خواہ عالم ہوں یا فاضل، محدث ہوں یا مفسر، فقیہ ہوں یا متکلم، اصولی ہوں یا منطقی، اہل باطن سے ہوں یا ارباب

---

(۱) در مختار مع رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، جلد ۴، ص: ۸۰، دار الفکر، بیروت، طبع دوم، ۱۴۱۲ھ

(۲) بستان المحدثین، ص: ۱۲، مطبوعہ محمدی پریس، لاہور

ظاہر ہے، سب کے سب دو صدی کے قبل سے آج تک جس کو گیارہ سو برس سے زائد ہو چکے، برابر تقلیدِ امام معین کرتے چلے آئے ہیں مگر معدودے چند جو کسی گنتی شمار میں نہیں، تو گویا بہت بڑی جماعتِ اہل اسلام بلکہ قریب قریب تمام مسلمان تقلید شخصی کے عامل ہوئے اور اس کو انہوں نے اپنے اوپر لازم پکڑ لیا اور وجوب مانا اور اس کے حسن وخوبی پر اتفاق کیا، تو موافقت جماعت کثیرہ واجب اور اس کی مخالفت حرام وموصل الی النار، موافقِ ارشادِ سید انبیاے کبار ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شذ شذ في النار" رواه ابن ماجه من حديث أنس رضى الله عنه[۱]". یعنی اتباع وپیروی کرو بڑی جماعت کی کہ بے شک جو شخص بڑی جماعت سے علاحدہ ہوا، تنہا دوزخ میں گیا۔ انتہیٰ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں مولانا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سواد اعظم کے یہ معنی لکھتے ہیں:

"يعبربه عن الجماعةالكثيرة، والمراد ما عليه أكثر المسلمين[۲]".

یعنی سواد اعظم سے تعبیر کی جاتی ہے جماعت کثیر اور مراد یہ ہے کہ جس پر اکثر مسلمان ہوں۔ انتہیٰ۔

غیر مقلدین دیکھیں کہ ان کی جماعت بڑی ہے یا مقلدین مذاہب اربعہ کی، تمام روے زمین پر جس قدر تقلید کے انکار کرنے والے اور اس کو برا جاننے والے ہیں، بہ نسبت مقلدین کے

---

[۱] مشکاۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، فصل دوم، ص:۳۰، مجلس برکات، مبارک پور

[۲] مرقاۃ المفاتیح، باب الاعتصام، فصل دوم، حدیث:۱۷۴، جلد اول، ص:۲۶۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۲ھ

عشر عشیر کیا، ہزار حصوں سے ایک حصہ بھی نہیں؛ تو لا محالہ یہ جہنمی ٹھہرے۔ آخر دوزخی کیوں نہ ہوں؟ اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے؛ احکام شیطانی کے بجالانے کے خیال سے تقلیدِ امام معین کو چھوڑا، قید مذہبی سے منہ موڑا، شتر بے مہار بنے، سانڈ کی طرح آزاد پھرنے لگے، قیدِ مذہب کو بازیچہ اطفال سمجھا، بازی گروں کا تماشا خیال کیا۔

یاد رکھو! تقلیدِ مذہب معین چھوڑنے میں طرح طرح کے نقصانات، بہت سخت خرابیاں ہیں۔ کسی شخص کو ہر گز جائز نہیں کہ اپنی خواہش کے موافق بعض مسائل میں مذہب حنفی اختیار کرے اور بعض میں شافعی کی تقلید کا دم بھرے، بعض میں حنبلی کو پکڑے، بعض میں مالکی پسند کرے، اس سے سوائے خبط میں پڑنے کے اور کچھ حاصل نہیں، ادھر بھی منہ مارا؛ اُدھر بھی نو چا کھسوٹا۔ نتیجہ یہ ہوا نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم، نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے، حقیقت میں ان چاروں مذہبوں کو باطل سمجھنا اور کسی کو نہ ماننا ہے جس کی تفصیل جواب امر چہارم میں آتی ہے۔

دیکھو! بعض امور شافعیہ کے وہاں واجب اور حنفیہ کے یہاں حرام اور بعض بالعکس۔ جیسے قراءتِ مقتدی کہ شافعیہ کے وہاں واجب اور حنفیہ کے نزدیک حرام، اگر اس کے عامل بنے تو حضرت امام اعظم کے نزدیک حرام کے مرتکب ٹھہرے اور جو تارک ہوئے تو امام شافعی کے نزدیک واجب کو چھوڑ بیٹھے، پھر اس پڑھنے نہ پڑھنے میں صرف اتنی ہی خرابی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر سخت شناعتیں اور قباحتیں ہیں، جن کی توضیح اسی امر چہارم کے جواب میں ہو گی۔ غرض کہ ترک تقلید شخصی میں سیکڑوں برائیاں، ہزاروں خرابیاں ہیں۔ حق تعالیٰ اس فعلِ بد سے ہر مسلمان کو بچائے۔ آمین۔

مولانا علی قاری مکی اپنے رسالہ **تشییع فقہاء الحنفیہ** معروف بہ **رد قفال** میں تحریر فرماتے ہیں:

"قلنا: لايجوز للقاضي ماقلتموه، بل يجب عليه حتما أن يعين مذهبا من هذه المذاهب- إما مذهب الشافعي في جميع الوقائع والفروع وإمامذهب مالك وإما مذهب أبي حنيفة وغيرهم، وليس له أن ينتحل من مذهب الشافعي في بعض ما يهواه، ومذهب أبي حنيفة في الباقي مايرضاه، لأنا لوجوزنا ذلك لأدى إلى الخبط والخروج عن الضبط، وحاصله يرجع إلى نفي التكاليف، لأن مذهب الشافعي إذا اقتضى تحريم شيئ ومذهب أبي حنيفة إباحة ذٰلك الشيئ بعينه أوعلى العكس، فهو إن شاء؛ مال إلى الحل وإن شاء؛ مال إلى الحرام، فلا يتحقق الحل والحرام، وفي ذٰلك إعدام التكليف وإبطال فائدته واستيصال قاعدته، وذلك باطل[1]".

یعنی ہم کہتے ہیں قاضی کو جائز نہیں جو تم نے کہا بلکہ اس پر یقیناً واجب ہے کہ ان چاروں مذہبوں سے کسی کو مقرر کر دے یا مذہب شافعی کو تمام واقعات و فروع میں یا مذہب مالک کو یا مذہب ابو حنیفہ وغیرہ کو، اور اس کو یہ بات جائز نہیں ہے کہ بعض واقعات میں مذہبِ شافعی کو لے لے جس پر اس کی خواہش نفسانی کا تقاضا ہو اور باقی میں مذہبِ امام ابو حنیفہ کو اختیار کر لے جس پر اس کی مرضی ہو، اس لیے کہ اگر ہم یہ بات جائز رکھتے یعنی قاضی اپنی مرضی وخواہش کے موافق مختلف مذاہب پر فیصلہ کر دے تو البتہ یہ امر خبط کی طرف پہنچ جاتا اور ضبط سے نکل جاتا یعنی خلط

---

[1] **(الف)** الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین از مولانا منصور علی خان مرادآبادی، ص:۴۲۳، مکتبہ دارالعلوم، فرنگی محل۔
(ب) انتصار الحق فی اکساد اباطیل معیار الحق از علامہ مفتی ارشاد حسین مجددی، ص:۳۱۷، ناشر: طلبہ درجۂ سابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۱۴۳۵ھ

مبحث ہو جاتا اور حاصل اس بات کا نفی تکالیف کی طرف رجوع کرتا یعنی نفس کچھ تکلیف نہ جھیلتا، جو اس کی خواہش ہوتی وہ کرتا تو مذہب تابعِ نفس ہو جاتا، نہ نفس تابعِ مذہب۔ اس لیے کہ مذہبِ شافعی جب کسی شیٔ کی حرمت کو چاہتا اور مذہبِ ابو حنیفہ بعینہ اس چیز کے مباح ہونے کو یا مذہبِ شافعی کسی شیٔ کے مباح ہونے کو چاہتا اور مذہبِ ابو حنیفہ بعینہ اس شیٔ کی حرمت کا مقتضی ہوتا تو قاضی اپنی خواہش کے موافق اسی مخصوص شیٔ میں اگر چاہتا؛ حلال کی طرف مائل ہو جاتا یا جو اس کی خواہش ہوتی تو حرام کی طرف میلان کرتا، پس حلال و حرام ثابت ہی نہ ہوتا اور اس صورت میں تکلیف کا نہ ہونا اور اس کے فائدہ کا باطل ہو جانا اور اس کے قاعدے کی بیخ کنی ہونا ہے اور یہ باطل ہے. انتهیٰ ترجمته مع التوضيح۔

دیکھا قید مذہب اور تقلید امام معین کے نہ ہونے میں کیسی خرابیاں پیش آتی ہیں، بغیر تقلید شخصی کسی طرح مفر نہیں، اسی وجہ سے تقلید امام معین نہ کرنے والے کو حدیث نے جہنمی قرار دیا۔

جواب امر چہارم: اس امر کا جواب ابھی امر سوم کے جواب میں بالتفصیل گزر گیا کہ اس میں بڑی بڑی شرعی خرابیاں ہیں اور گیارہ سو برس سے مسلمانوں کا جو عمل درآمد رہا، اس کے خلاف ہے، اس میں ترک وجوب لازم آتا ہے، ایسا فعل منجر الی النار ہے وغیرہ وغیرہ۔

صرف اس شخص کے چاروں مذہبوں کے حق جاننے اور جس کو چاہے اس پر عمل کر لینے کا جواب باقی رہ گیا، فأقول وبالله التوفيق:

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی دسویں جلد میں خاتمۃ المحققین، افضل العلماء الکاملین، امام اہل سنت، حکیم امت، مجدد مأۃ حاضرہ، صاحب تصانیف کثیرہ وجلیلہ حضرت فاضل بریلوی مُدّ ظلہ العالی افادہ فرماتے ہیں:

’’یہ وہ پوچ دھوکا، ضعیف کید ہے کہ نرے ناخواندہ بے چاروں کو سنا کر بہکالیں، مگر جب کسی ادنیٰ طالب علم یا صحبت یافتہ ذی فہم ہی کے سامنے کہیں تو خود ہی ’’کان ضعیفا‘‘ ماننا پڑے۔ اس مغلطۂ فاحشہ کا حاصل جیسا کہ ان کے خواص وعوام کے زبان زد ہے، یہ کہ چاروں مذہب حق ہیں اور سب دین متین کی شاخیں تو ایک ہی تقلید سے گویا چہارم دین پر عمل ہوا، بخلاف اس کے کہ کبھی کبھی ہر مذہب پر چلے کہ یوں سارے دین پر عمل ہو جائے گا[1]۔

اقول: اولاً: یہ اس مدہوش کا جنونی خیال ہے جسے دربار شاہی تک چار سیدھے راستے معلوم ہوئے، رعایا کو دیکھا کہ ان کا ہر گروہ ایک راہ پر ہو لیا اور اسی پر چلا جاتا ہے، مگر ان حضرات نے اسے بیجا حرکت سمجھا کہ جب چاروں راستے یکساں ہیں تو وجہ کیا کہ ایک ہی کو اختیار کر لیجئے، پکارتا رہا کہ صاحبو! ہر شخص چاروں راہ پر چلے مگر کسی نے نہ سنی، ناچار آپ ہی نے تانا تننا شروع کیا، کوس بھر شرقی راستہ چلا، پھر اسے چھوڑا جنوبی کو دوڑا، پھر اس سے بھی منہ موڑا غربی کو پکڑا، پھر اس سے بھاگ کر شمالی پر ہو لیا، پھر ادھر سے پلٹ کر پھر شرقی پر آرہا، تیلی کے سے بیل کو گھر ہی کوس پچاس۔ عقلا سے پوچھ دیکھو، ایسے کو مجنون کہیں گے یا صحیح الحواس۔ یہ مثال میری ایجاد نہیں بلکہ علمائے کرام واولیائے عظام کی ارشاد ہے اور ان سے امام علام عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قُدِّسَ سِرُّہٗ

---

[1] فتاویٰ رضویہ، رسالہ: النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی، جلد ۲، ص: ۵۹۱ تا ۵۹۴، مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربند

الربانی نے ”میزان الشریعۃ الکبریٰ“ میں نقل فرمائی اور اس کے مشابہ دوسری مثال انگلیوں کے پوروں کی اپنے شیخ حضرت سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔ یہ امام ہمام وہ ہیں جن کی اسی کتاب مستطاب سے اسی مسئلۂ تقلید میں غیر مقلدانِ زمانہ کے معلم جدید میاں نذیر حسین دہلوی براہِ اغوا سند لائے اور اسی کتاب میں ان کی ہزار دوہزار قاہر تصریحوں سے کہ جہالات طائفہ کا پورا علاج تھیں؛ آنکھ بند کر گیے مگر کیا جاے شکایت ”اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ“ اس نئے طائفہ کی پرانی خصلت، جسے اس کی سیر دیکھنی منظور ہو، بعض احباب فقیر کا رسالہ ”سیف المصطفی علی ادیان الافترا“ (۱۲۹۹ھ) مطالعہ کرے۔

ثانیا: کل دین متین پر ایسے عمل کا صحابہ وتابعین وسائر ائمۂ مجتہدانِ دین کو بھی حکم تھا یا خدا ورسول نے یہ خاص آپ ہی کے لیے رکھا- بر تقدیر اول ثبوت دو کہ وہ حضرات ہر گز اپنے مذہب پر قائم نہ رہتے بلکہ نماز وروزہ وتمام اعمال واحکام میں آج اپنے اجتہاد پر چلتے، تو کل دوسرے کے، پرسوں تیسرے کے- بر تقدیر ثانی یہ اچھی دولتِ دین ہے جس سے تمام سردارانِ امت وپیشوایانِ ملّت بازرہ کر محروم گئے۔ کیا ان کے وقت میں یہ اختلافِ مذاہب نہ تھا یا انہیں نہ معلوم تھا کہ ہم ناحق کُل دینِ متین پر عمل چھوڑے بیٹھے ہیں؟

ثالثا: اُف رے مغالطہ کہ کُل دین متین پر یک لخت عمل چھوڑنے کا نام سارے دین پر عمل کرنا رکھا۔

ع: بر عکس نہند نام زنگی کافور(۱)

بھلا مسائل اختلافیہ میں سب اقوال پر ایک وقت میں عمل تو محال عقلی، ہاں! یوں ہو کہ **مثلاً**: آج امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی؛ کل نہ پڑھی مگر یہ کُل دین متین کے خلاف ہوا۔ کیا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقتدی کو قراءت بعض اوقات میں ناجائز تھی؟ حاشا بلکہ ہمیشہ۔ کیا امام شافعی کی رائے میں ماموم پر فاتحہ احیاناً واجب تھی؟ حاشا بلکہ دواماً۔ تو جو نہ دائماً تارک؛ نہ دائماً عامل، وہ قطعاً دونوں قول کا مخالف ونافی۔ پر ظاہر کہ ایجاب وسلبِ فعلی؛ سلب وایجابِ دوامی، دونوں کا دافع ومنافی۔ اب تو کھلا کہ تم رفض وخروج دونوں کے جامع کہ چاروں میں سے کسی کے معتقد، نہ کسی کے تابع۔

رابعاً: جو امر ایک مذہب میں واجب دوسرے میں حرام **مثلاً**: قراءتِ مقتدی تو عامل بالمذہبین فی وقتین کو کیا حکم دیتے ہو-آیا[۱] اسے ہمیشہ اپنے حق میں حرام سمجھے [۲] یا ہمیشہ واجب [۳] یا وقتِ عمل واجب؛ وقتِ ترک حرام [۴] یا بالعکس [۵] یا جس وقت جو چاہے سمجھے [۶] یا کبھی کچھ نہ سمجھے یعنی واجب؛ غیر واجب حرام؛ غیر حرام کچھ تصور نہ کرے [۷] یا مذاہب ائمہ یعنی واجب وحرام دونوں کے خلاف محض مباح جانے-شقین اولین پر یہ ٹھہرتا ہے کہ حرام جان کر ارتکاب کیا یا واجب مان کر اجتناب اور شق رابع پر دونوں۔ یہ صریح اجازت قصدِ فسق وتَعَمُّدِ معصیت ہے اور شق ثالث مثل رابع کھلم کھلا "یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا" میں داخل ہونا کہ ایک ہی چیز کو آج واجب جان لیا، کل حرام مان لیا، پرسوں پھر واجب ٹھہرالیا۔ دین نہ ہوا؛ کھیل ہوا یا کفار سوفسطائیہ

---

(۱) ترجمہ: الٹا کالے کو گورا کہتے ہیں۔

عندیہ کا میل کہ جس چیز کو ہم جو اعتقاد کرلیں، وہ نفس الامر میں ویسی ہی ہو جائے۔ شق خامس پر دونوں استحالے قائم کہ جب اجازت مطلقہ ہے تو عاماً، شہراً، یوماً در کنار ''یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا'' لازم اور نیز وقتِ عمل اعتقادِ حرمت؛ وقتِ ترک اعتقادِ وجوب کی اجازت۔ رہی شق سادس، وہ خود معقول نہیں بلکہ صریح قول بالمتناقضین کہ آدمی جب عمل بالمذہبین جائز جانے گا؛ قطعاً فعل وترک روا مانے گا، اُس کا حکم اور اِس سے منع بے ہودہ ہے۔ مع ہٰذا، یہ شق بھی استحالۂ اولیٰ کے حصے سے سلامت نہیں، اچھا حکم دیتے ہو کہ آدمی نماز میں ایک فعل کرے مگر خبردار یہ نہ سمجھے کہ خدا نے میرے لیے جائز کیا ہے۔ لاجرم شق ہفتم رہے گی اور گُل وہی کھلے گا کہ کل دین متین کا خلاف یعنی مُحَصَّل جوازِ فعل وترک نکلا اور وہ وجوب وحرمت دونوں کے منافی۔

بالجملہ، حضرات براہ فریب ناحق چاروں مذہب کو حق جاننے کا ادعا کرتے اور اُس دھوکے سے عوام بے چاروں کو بے قیدی کی طرف بلاتے ہیں، ہاں! یوں کہیں کہ ائمۂ اہل سنت کے سب مذہبوں میں کچھ کچھ باتیں خلافِ دینِ محمدی ﷺ ہیں، لہٰذا انہیں تنہا ایک پر عمل ناجائز وحرام بلکہ شرک ہے، لاجرم ہر ایک کے دینی مسئلے چن لیے جائیں اور بے دینی کے چھوڑ دیے جائیں، صاحبو! یہ تمہارا خاص دلی عقیدہ ہے جسے تمہارے عمائدِ طائفہ لکھ ہی چکے پھر ڈر کس کا ہے؟ یہ بلادِ مدینہ طیبہ بلد الحرام نہیں، حجاز ومصر وروم وشام نہیں، زیر سلطنتِ سنت واسلام نہیں، کھُل کر کہو کہ چاروں اماموں کے مذہب معاذاللہ بے دینی ہیں کہ آخر دین وخلاف دین کا مجموعہ ہرگز دین نہ ہوگا بلکہ یقیناً بے دینی۔ ''والعیاذ باللہ رب العلمین''۔ انتہی۔

غیر مقلدین سچ کہنا، تمہارا چاروں مذہبوں کو حق جاننا صرف فریب ومکر وزُور ٹھہرایا نہیں؟ چاروں کو باطل سمجھنا، کسی پر عمل نہ کرنا، صراط مستقیم سے منہ موڑنا، راہِ جحیم اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ مثلِ نہار آشکار ہو گیا، تقلید ائمہ کا ادعا محض باطل، اس سے تمہاری غرض عوام کا بہکانا، راہِ بے قیدی پر لانا، جہنم کا راستہ دکھانا ثابت ہوا۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کایں رہ کہ تو می روی بترکستان ست (۱)

یادرکھو! تمام فتنہ وفساد وشر وعناد، خرابی وبے ہودگی کا استیصال، اس تقلید امام معین میں جلوہ گر وآشکار، اس میں تعمیلِ احکامِ خدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کا بلادغدغہ اظہار، اس میں نزول رحمت پروردگار ہے۔

جواب امر پنجم: صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اگر آج کوئی عامی بلاضرورت شرعی تقلید کرے تو وہ اجماع کا خارق، جہنم کے لائق، بدعتی وگمراہ بلااشتباہ ہے، یا کوئی مقلد اگرچہ علامۃ الدہر ہو، مسائل اجتہادیہ میں اپنے امام کی تصریحات کو چھوڑ کر بلاضرورت شرعی وبغیر اجازت مذہبی، صحابہ کا مذہب اختیار کرلے اگرچہ ایک ہی مسئلے میں سہی، تو وہ تارکِ وجوب ولائقِ تعزیر اور وہ قول اس کا متروک ومردود پیش علمائے شہیر ہے۔ وہ آزادی کا سبق دینے والا، شر وفساد کا بیج بونے والا نزدیکِ ہر صغیر وکبیر ہے، اس کی پوری تصریح اور کمالِ تنقیح اوپر گزر چکی۔

---

(۱) ترجمہ: اے دیہاتی! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ کو نہ پہنچے کہ یہ راستہ جس پر تو چل رہا ہے ترکستان کا ہے۔

جواب امر ششم: صحابہ میں سے حسبِ تصریحِ محقق علی الاطلاق، مجتہد علی الوفاق، امام ہمام، حافظ الحدیث کمال الدین چوبیس مجتہد تھے۔ جیسے حضرات خلفاے اربعہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین اور باقی ایک لاکھ سے زائد صحابہ سب کے سب مقلد[1]۔ یہ بات ایسی ظاہر وروشن ہے کہ ثبوت زائد کی حاجت نہیں۔

جواب امر ہفتم: وجہِ ترکِ مذاہبِ صحابہ واختیارِ مذاہبِ ائمہ ٔ اربعہ بیان ہو چکی کہ صحابہ کے مذاہب مدوّن وجمع نہ ہوئے، سلکِ تحریر میں نہ آئے، مطلق کی تقیید؛ عام کی تخصیص نہ ہوئی، تنقیح وتصریحِ احکام؛ تعلیل وتفصیلِ مسائل نہ کی گئی۔ مذاہبِ ائمہ ٔ اربعہ میں یہ سب باتیں مع شئِ زائد وقوع میں آئیں، لہٰذا اُن کے مذہب متروک ومہجور اور اِن کے معمول ومشہور ہوئے۔

ان چاروں مذہبوں کے نکلنے کا سبب دریافت کرنا، تو اسی کے قریب قریب بلکہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ قرآن مجید کیوں نازل ہوا؟ رسول کس واسطے آئے؟ بس اسی قدر سمجھ لو کہ مذاہب ائمہ ٔ اربعہ کا نکلنا مسلمانوں پر اس حکیم وقادر علام کا لطف وانعام، احسان واکرام، فضل ورحمت بے نہایت ہے۔ اب انھیں چاروں مذہب پر عمل اور انھیں کی تقلید جاری وقائم رہے گی یہاں تک کہ قیامت کی علامات کبریٰ کا ظہور ہو، اور امام اعظم ومجتہدِ اقدم، افضل المجتہدین، سید

---

[1] فتح القدیر، کتاب الطلاق، زیر قول ہدایہ: ”طلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة“ الخ، جلد ۳، ص: ۴۷۰، دار الفکر بیروت مگر اس میں چوبیس کی صراحت نہیں بلکہ یہ ہے کہ مجتہد صحابہ بیس سے بھی زائد نہیں تھے، حیث قال: والمأة الألف الذين توفي عنهم رسول الله ﷺ– لا تبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم أكثر من عشرين كالخلفاء العبادلة وزيد بن ثابت معاذ بن جبل وأنس وأبي هريرة –رضى الله عنهم– وقليل والباقون يرجعون إليهم ويستفتون منهم.

التابعین امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا **مذہب** جیسا کہ سب سے اول نکلا اور شائع ہوا، ویسا ہی **تینوں مذہبوں** کے آخر میں اختتام پائے گا۔

وہی عارف باللہ اپنی اُسی **"میزان"** میں رقم فرماتے ہیں: "ومن جملة مارأيت في العين جداول جميع المجتهدين الذين اندرست مذاهبهم، لكنها يبست وصارت حجارة ولم أر منها جدولا يجرى سوىٰ جداول الأئمة الأربعة، فأَوَّلْتُ بذٰلك ببقاء مذاهبهم إلى مقدمات الساعة". اس کے آٹھ صفحوں کے بعد اسی مضمون کو یوں ادا فرمایا: "وقد تقدم أن الله تعالىٰ لما مَنَّ عَلَيَّ بالاطلاع على عين الشريعة؛ رأيت المذاهب كلها متصلة بها، ورأيت مذاهب الأئمة الأربعة تجري جداولها كلها، ورأيت جميع المذاهب التي اندرست؛ قد استحالت حجارة، ورأيت أطول الأئمة جدولا الإمام أباحنيفة، ويليه الإمام مالك، ويليه الإمام الشافعي، ويليه الإمام احمد بن حنبل، فكما كان مذهب الإمام أبي حنيفة أول المذاهب المدونة تدويناً، فكذٰلك يكون اٰخرها انقراضا، وبذٰلك قال أهل الكشف[1]. انتهى. ملتقطا"

یعنی تحقیق پہلے بیان ہو چکا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جب کہ چشمۂ شریعت کی اطلاع پر مجھ پر احسان فرمایا، میں نے تمام مذہبوں کو اس چشمے کے متصل دیکھا، پھر ان میں **مذاہبِ ائمۂ اربعہ** کو دیکھا کہ انہیں کی نہریں جاری ہیں اور باقی تمام مذہبوں کو دیکھا کہ مٹ گئے اور اپنی حالت سے پھر کر پتھر ہو گئے، پھر ان چاروں اماموں کی نہروں سے زیادہ لمبی نہر امام اعظم ابو حنیفہ کی دیکھی، پھر اس

---

[1] میزان الشریعۃ الکبریٰ، مقدمہ، فصل: "إن قال قائل: کیف الوصل إلی الاطلاع" الخ، ص:٦٩، ناشر: طلبہ جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ١٤٤٠ھ

کے بعد لمبائی میں امام مالک کی، پھر امام شافعی کی، پھر امام احمد بن حنبل کی دیکھی۔ پس جیسا کہ مذہب امام ابو حنیفہ کا جمع ہونے میں اول ہے ان مذہبوں سے جو جمع کیے گئے ایسا ہی ختم ہونے میں ان مذاہب سے آخر ہو گا، یہی اہل کشف نے فرمایا: رضی اللہ تعالیٰ عنهم، وأرضاهم عنا أحسن الرضا، ونفعنا ببركاتهم، وحشرنا في زمرتهم يوم يفر الولدان من الأٰبا. اٰمين. آخر میں ایک ثبوتِ تقلیدِ شخصی اور دیگر تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

وہی عارف باللہ عبارت مذکورہ کے پانچ صفحوں کے بعد فرماتے ہیں: ”وأما قبل بلوغه إلى هذا المقام، فلا يجوز لك منعه من التقليد بمذهب واحد“. انتهى بقدر الحاجة[۱].

یعنی جب تک وہ شخص عین اولِ شریعت تک نہ پہنچ جائے اور کشف وشہود وکمالِ ولایت سے درجۂ اجتہاد نہ پائے، تو تجھ کو یہ جائز نہیں کہ تقلیدِ مذہبِ واحد سے اس کو منع کرے۔ انتہیٰ۔

واضح ہو کہ یہ مسئلۂ تقلید نہایت بسط وشرح کو چاہتا تھا، اگر اس کے تمام مَالَہٗ وَمَاعَلَیہِ سے بحث کی جاتی تو ایک کتاب ضخیم ہو جاتی، احقر نے تمام مباحث وادلہ وغیرہ سے قطع نظر کر کے جس قدر کی شدید ضرورت سمجھی، اسی کو سلسلۂ تحریر میں لایا، اس اختصار ہی میں عوام کا نفع خیال میں آیا۔

حق جل وعلا؛ بجاہ سید الانبیا علیہ وعلی آلہ واصحابہ افضل الصلاۃ واکمل الثنا اس مختصر سے اور میری باقی تحریروں سے اپنے بندوں کو نفع پہنچائے، طریقِ رشد وہدایت دکھائے اور اس عاجز ومسکین کے لیے ذریعۂ نجات آخرت بنائے۔ اٰمين اٰمين.

---

[۱] میزان الشریعۃ الکبریٰ، مقدمہ، فصل: ”فإن ادعی أحد من العلماء ذوق هذا الميزان“ الخ، ص: ۸۲/ ۸۳، ناشر: طلبہ جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۱۴۴۰ھ

وأخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وأفضل الصلوات وأكمل التسليمات على امام الأنبياء والمرسلين؛ سيّد الأولين والآخرين، وعلى أله وصحبه ومجتهدي أمته ومقلديهم أجمعين برحمته، وهو أرحم الراحمين.

سوال پنجم

’’سماع موتیٰ‘‘یعنی مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں؟اگر سنتے ہیں تو قرآن شریف میں جو حق تعالیٰ فرماتا ہے:(اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمُوْتٰی)(تحقیق تو نہیں سناتا ہے مردوں کو اور وارد ہوا: (اِنَّ اللہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ) (تحقیق اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے اور نہیں ہے تو سنانے والا اس کو جو قبروں میں ہے)۔ان دونوں آیتوں میں صاف انکار ہے اور انھیں آیتوں کی بناپر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی انکار مروی ہوا اور فقہا سے بھی انکار ثابت ہوا پس آیتوں اور قول حضرت عائشہ اور اقوالِ فقہا کا کیا جواب ہے؟

جواب سوال پنجم

بے شک مردے زندوں کا سلام وکلام سب کچھ سنتے ہیں، عقلاً ونقلاً دونوں طرح سے ثابت،اس کا انکار نہیں کرتے؛اس میں تردد وشک نہیں لاتے مگر وہ جو عقل و نقل دونوں سے معرّا، جنہوں نے صراط مستقیم وطریق قویم سے منہ موڑا، جادۂ ناراستی پر قدم رکھا، حق کو چھوڑا، معتزلہ کے خیال فاسد پر عمل کیا۔ سماع موتیٰ کے ثابت ہونے پر تمام اہل سنت کا اتفاق، جملہ اہل حق کا وفاق۔

عقلاً یہ کہ تمام ادراکات مثل سماع وعلم و بصر روح کے واسطے ثابت، بدن صرف ایک آلہ ہے، روح جب قیدِ بدن سے نکلی تو بسبب کمال آزادی کے اس کے ادراکات نے ترقی پکڑی، آلات کی اس کو حاجت نہیں، آلات سڑ گل کر خاک میں ملے یا جل بُھن کر راکھ ہوئے، اُس کے ادراکات میں

لطافت آئی، اُن میں روشنی وصفائی بدرجہا بڑھی، خوب جِلا پائی، جب ادراکات روح کے واسطے ہیں اور روح باجماع اہل اسلام بلکہ بعض فلاسفہ وغیرہ کے نزدیک بھی بدن کے مرنے سے نہیں مرتی، تو اس کے سماع وغیرہ کا انکار و نفی کس طرح ہو سکتی ہے؟ اس پر شواہد بے شمار، جن کا احاطہ دشوار، چند معرضِ اظہار میں لاتا اور توفیق اللہ جل شانہ سے چاہتا ہوں۔

شفاء السقام امام سبکی علیہ الرحمہ میں ہے: " النفس باقية بعد موت البدن عالمة، باتفاق المسلمين بل غير المسلمين من الفلاسفة وغيرهم ممن يقول ببقاء النفوس؛ يقولون بالعلم بعد الموت، ولم تخالف في بقاء النفوس إلا من لا يعتدبه[1]". انتهى. ملتقطا.

یعنی موتِ بدن کے بعد روح باقی رہتی ہے اس حال میں کہ عالم و مدرک ہے، باتفاق واجماع اہل اسلام بلکہ جو کافر فلاسفہ وغیر ہم سے بقاے ارواح کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ روح کے لیے بعد موت کے علم ثابت ہے اور روحوں کے باقی رہنے میں خلاف انہیں نے کیا جو کسی گنتی شمار میں نہیں۔

مقاصد و شرح مقاصد میں ہے: "عند المعتزلة وغيرهم البنية المخصوصة شرط في الإدراك، فعندهم لا يبقى إدراك الجزئيات عند فقد الألات، وعندنا يبقى، وهو الظاهر من قواعد الإسلام[2]".

---

[1] شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام، باب نہم، فصل پنجم: "فی تحقیق السماع ونحوہ من الأعراض بعد الموت" ص:۴۳۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۸ء

[2] شرح مقاصد، بحث رابع: "مدارک الجزئیات عندنا النفس" ج:۲، ص:۴۳، مطبوعہ محرم آفندی، اسنبول، ۱۳۰۵ھ

یعنی معتزلہ وغیرہ کے نزدیک یہی مخصوص بدن ادراک میں شرط ہے، پس ان کے نزدیک آلات کے جاتے رہنے کے بعد ادراک جزئیات باقی نہیں رہتا اور ہمارے یعنی اہل سنت کے نزدیک آلات کے جاتے رہنے کے بعد ادراک باقی رہتا ہے اور یہی ظاہر ہے قواعد اسلام سے۔

تکمیل الایمان میں ہے: ”**بقائے روح بعد از موت بدلالت احادیث واجماع علما ثابت ست**[۱]“۔

یعنی موت کے بعد روح کا باقی رہنا دلالتِ احادیث اور اجماعِ علما سے ثابت ہے۔

شرح مواقف میں ہے: ”والنفس الناطقة لا يقبل الفناء أي العدم بعد وجودها[۲]“.

یعنی روح اپنے وجود کے بعد فنا یعنی نیست ہونے کو قبول نہیں کرتی۔

اسی شرح مواقف میں امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ سے نقل کیا، امام فخر الدین رازی نے جمہور محققین کا قول بیان فرمایا: ”الأرواح البشرية ضعيفة في هذا العالم، فإذا فارقت بالموت وانتقلت إلى عالم القدس والطهارة؛ قويت وكملت[۳]“. انتهى. بقدر الضرورة.

---

(۱) تکمیل الایمان، بحث ”دراستمداد قبور“ ص:۱۲۳، مطبوعہ الرحیم اکیڈمی، کراچی، ۱۴۲۱ھ

(۲) شرح مواقف، مرصد دوم، مقصد ثالث: ”فی انکار حشر الأجساد“ جلد:۴، جزو:۸، ص:۳۲۵، مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلیشنگ، لاہور، طبع اولی، ۱۴۳۰ھ

(۳) شرح مواقف، مرصد دوم، مقصد ثالث: ”فی انکار حشر الأجساد“ جلد:۴، جزو:۸، ص:۳۲۸، مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلیشنگ، لاہور، طبع اولی، ۱۴۳۰ھ

یعنی اس عالم میں بشری روحیں ضعیف ہیں، جب موت کے باعث مفارقت ہوتی ہے اور عالم قدس وپاک کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں تو قوی وکامل ہوجاتی ہیں۔

نقلاً یہ کہ احادیث کثیرہ وارد، کلام الٰہی شاہد، اقوال صحابہ وتابعین وتبع تابعین وفقہاے محققین وعلماے مفسرین ومحدثین ومتکلمین ہزار در ہزار، جن کا شمار واحصابس دشوار۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مردوں کی تلقین میں متعدد حدیثیں آئیں، فقہاے کرام نے اس کی اجازتیں عنایت فرمائیں، تلقین میں مردے کو سنانے، مردے کے سننے اور اس سے جو کچھ کہا جاتا ہے اس پر علم وفہم حاصل ہونے کے سوا اور کیا ہوتا ہے؟ مختصر حال تلقین سن لو:

در مختار میں ہے:"ولا يلقن بعد تلحيده، وإن فعل لا ينهى عنه، وفي الجوهرة: أنه مشروع عند أهل السنة، ويكفي قوله: يا فلان، يا ابن فلان، اذكر ما كنت عليه، وقل: رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا، قيل: يا رسول الله، فإن لم يعرف إسمه؟ قال: ينسب إلى اٰدم وحواء، ومن لم يسأل ينبغي أن لا يلقن[1]".

یعنی لحد میں رکھنے کے بعد تلقین نہ کی جائے اور اگر کی جائے تو منع بھی نہ کیا جائے۔ جوہرہ نیرہ میں ہے کہ بے شک تلقین اہل سنت وجماعت کے نزدیک مشروع ہے اور اسی قدر کہنا کافی ہے کہ اے فلاں! اے بیٹے فلاں کے! یاد کر اس کو جس پر تو تھا اور کہہ: پسند کیا میں نے اللہ تعالیٰ کو پروردگار اور اسلام کو دین اور محمد ﷺ کو نبی۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ! اگر میّت کا نام نہ معلوم

---

(۱) در مختار مع رد المحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب: "فی التلقین بعد الموت" جلد:۲، ص:۱۹۱ / ۱۹۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع دوم، ۱۴۱۲ھ

ہو، فرمایا: آدم و حوا کی طرف نسبت کر دی جائے اور جو سوال نکیرین سے مامون و محفوظ ہیں؛ سزاوار یہ ہے کہ ان کو تلقین نہ کی جائے۔

صاحب در مختار نے جو یہ فرمایا کہ لحد میں رکھنے کے بعد تلقین نہ کی جائے، اس کی وجہ اسی کتاب کے حاشیہ **شامی** میں یہ بیان فرمائی:

"قال (أي صاحب المعراج): "وفي الخَبَّازِيَّة والكافي عن الشيخ الزاهد الصَفَّار أن هذا على قول المعتزلة، لأن الإحياء بعد الموت عندهم مستحيل، أما عند أهل السنة فالحديث أي"لقنواموتاكم لاإله إلا الله" محمول على حقيقته، لأن الله تعالیٰ يحييه على ماجاءت به الاٰثار، وقد روي عنه عليه الصلاة والسلام أنه أمر بالتلقين بعد الدفن، فيقول: يا فلان ابن فلان، اذكر دينك الذي كنت عليه من شهادة أن لاإله إلّا الله، وأن محمداً رسول الله، وأن الجنة حق والنار حق، وأن البعث حق، وأن الساعة آتية لا ريب فيها، وأن الله يبعث من في القبور، وأنك رضيت بالله، ربّاً وبالإسلام ديناً، وبمحمد ﷺ نبياً، وبالقراٰن إماماً، وبالكعبة قبلةً، وبالمؤمنين اخواناً".اھ.

یعنی کہا صاحب **معراج** نے کہ **خَبَّازیہ** اور **کافی** میں شیخ زاہد صَفَّار سے ہے کہ بے شک یہ قول یعنی لحد میں رکھنے کے بعد تلقین نہ کی جائے معتزلہ کے قول کی بنا پر ہے، اس لیے کہ موت کے بعد زندہ کرنا ان کے نزدیک محال ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک حدیثِ تلقین یعنی "تلقین کرو اپنے مردوں کو لاإله إلا الله" محمول ہے اپنی حقیقت پر کیوں کہ اللہ تعالیٰ مردے کو زندہ کرتا ہے؛ یہ مضمون حدیثوں میں آچکا ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے دفن

کے بعد تلقین کے لیے حکم فرمایا: تلقین کرنے والا کہے: اے فلاں بیٹے فلاں کے! یاد کر اپنے دین کو جس پر تو تھا یعنی یہ گواہی کہ نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بے شک **محمد** اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور بے شک جنت حق ہے اور نار حق ہے اور بے شک قبروں سے اٹھنا حق ہے اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں شبہہ نہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ جو قبروں میں ہیں ان کو اٹھائے گا اور بے شک تو نے پسند کر لیا اللہ تعالیٰ کو پروردگار اور اسلام کو دین اور **محمد** ﷺ کو نبی اور قرآن کو پیشوا اور کعبے کو قبلہ اور مومنوں کو بھائی۔ انتہیٰ۔

جس طرح تلقین میں مردے کو سنانا اور مردے کا زندہ لوگوں کے کلام کو سننا۔ سمجھنا بلکہ سن کر سمجھ کر مردے کا دعا دینا اور دعا دے کر یہ کہنا کہ کہو، کیا کہتے ہو جیسا کہ **طبرانی** نے حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے[1]؛ اسی طرح زیارت قبور میں سلام کا حال ہے۔ اس میں بھی متعدد حدیثیں آئیں اور فقہا نے بھی صریح اجازتیں عطا فرمائیں۔

درمختار میں ہے: "ويقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون[2]". **شامی** میں اس قول کی یہ شرح فرمائی: "قال في الفتح: "والسنة زيارتها قائما، والدعاء عندها قائما كما كان يفعله ﷺ في الخروج إلى البقيع، ويقول: السلام عليكم" الخ. وفي شرح اللباب للملّا على القارئ: "ثم من آداب الزيارة ماقالوا من أنه يأتي الزائر من قبل

---

(۱) **(الف)** معجم کبیر، سعد بن عبد اللہ الأودی عن أبي أمامة، حدیث: ۷۹۷۹، جلد: ۸، ص: ۲۴۹، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، طبع دوم۔
(ب) شرح الصدور فی حلال الموتیٰ والقبور، باب مایقال عند الدفن والتلقین، ص: ۱۱۰، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۷ھ
(۲) در مختار مع رد المحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب: "فی زیارۃ القبور" جلد: ۲، ص: ۲۴۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع دوم، ۱۴۱۲ھ

رِجْلَيِ المتوفیٰ لامن قبل رأسه، لأنه أتعب لبصر الميت، ومن اٰدابها أن يسلم بلفظ "السلام عليكم" على الصحيح لا عليكم السلام، فإنه ورد:"السلام عليكم دار قوم مومنين، وإنا ان شاء الله بكم لاحقون، ونسأل الله لنا ولكم العافية" ثم يدعو قائما طويلاً، وإن جلس يجلس بعيداً أوقريباً بحسب مرتبته فی حال حياته". اھ.انتهى ملخصاً.

یعنی **فتح القدیر** میں کہا کہ قبروں کی زیارت اوران کے پاس دعا کھڑے ہو کر سنت ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام قبرستانِ بقیع کی طرف نکلنے میں کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے "السلام علیکم" آخر تک۔اور **شرح لباب** ملا علی قاری میں ہے کہ آداب زیارت سے وہ ہے جس کو علما نے بیان کیا کہ زیارت کرنے والا میت کے پاؤں کی طرف سے آئے نہ سر کی جانب سے،اس لیے کہ سر کی جانب سے آنے میں میّت کی نظر کو مشقت ہو گی، وہ نظر پھرا کر دیکھے گا۔اور زیارت قبور کے آداب سے یہ ہے کہ سلام کرے "السلام علیکم "کے لفظ کے ساتھ صحیح مذہب پر نہ "علیکم السلام" کے ساتھ اس لیے کہ وارد ہوا ہے "سلام ہو تم پر اے اہل سرائے مومنین! اگر چاہا اللہ تعالی نے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں اور ہم سوال کرتے ہیں اللہ تعالی سے اپنے اور تمھارے لیے آرام کا"۔ پھر کھڑے ہو کر دیر تک دعا مانگے اور اگر بیٹھ گیا تو دور یا نزدیک موافق مرتبۂ میت کے بیٹھے جیسا کہ اس کی حالت حیات میں کیا جاتا تھا۔اھ۔

اور **مسلم** نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کی:"قالت:كان رسول الله صلی اللہ تعالی علیہ وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلی اللہ تعالی علیہ وسلم؛ يخرج من اٰخر الليل إلى البقيع، فيقول:السلام عليكم دار قوم

مؤمنين، وأتاكم ماتوعدون، غدا مؤجلون، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد[1]".

یعنی وہ فرماتی ہیں جس رات میری باری ہوتی تھی تو رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم آخر شب میں قبرستان بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے: "سلام ہو تم پر اے اہل سرائے مومنین! آگئی تمہارے پاس وہ چیز جس کا تم وعدہ کیے گئے تھے، فردائے قیامت مدتِ مقرر مہلت دیے گئے ہو تم اور اگر چاہا خدائے تعالیٰ نے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیعِ غرقد والوں کو بخش۔

اسی **صحیح مسلم** میں بروایت حضرت عائشہ وارد، وہ کہتی ہیں: میں نے حضور سے دریافت کیا کہ زیارت قبور کے وقت کیا کہا کروں؟ ارشاد ہوا، یہ پڑھا کرو:"السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين، ويرحم الله المتقدمين منا والمتأخرين، وإنا إن شاء الله بكم للاحقون". [2]

یعنی سلام ہو تم پر اے اہل دیار مومنین و مسلمین اور رحم فرمائے اللہ تعالی ہم میں سے جو پہلے گئے اور جو پیچھے آئیں گے اور اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے تو ہم تم سے البتہ ملنے والے ہیں۔

ظاہر ہے کہ تلقین و سلام دونوں میں مُردوں کو خطاب ہے، اگر وہ سنتے نہیں تو تلقین کرنا کیسا؟ ان پر سلام کرنا کیسا؟ دونوں حرکتیں فضول ولایعنی، کارِ عبث و بے معنیٰ۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبر والدعاء لأهلها، حدیث:۹۷۴، جلد:۲، ص:۶۶۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبر والدعاء لأهلها، حدیث:۹۷۴، جلد:۲، ص:۶۶۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت

روح البیان، جلد:۳/ صفحہ:۲۲۲/ میں ہے:"تلقین المیت بعد الدفن للإسماع وإلا فلا معنی له[۱]".

یعنی تلقینِ میت دفن کے بعد مردے کو سنانے کے واسطے ہے، ورنہ تلقین کے کوئی معنی نہ ہوتے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جو اہل بقیع کو مخاطب کرکے ان کو سلام کیا، اس کے متعلق **اشعۃ اللمعات** شرح مشکوٰۃ میں ہے:

"زیرا کہ خطاب باکسے کہ نشنود و نفہمد معقول نیست ونزدیک ست کہ شمار کردہ شود از جملۂ عبث[۲]"

یعنی اس لیے کہ خطاب اس شخص کے ساتھ جو سنتا اور سمجھتا نہیں، خلاف عقل ہے اور کچھ بعید نہیں کہ فضول وبے کار حرکتوں سے شمار کیا جائے۔

پس سماع موتیٰ کے حق ہونے میں کیا کلام اور اس کے انکار کی کون صورت۔ اب آگے قاہر تصریحیں سنو:

---

[۱] تفسیر روح البیان، زیر آیت "إن اللہ یسمع من یشاء وما أنت بمسمع من فی القبور" سورۂ فاطر، جلد:۷، ص:۳۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

[۲] اشعۃ اللمعات، باب حکم الأسراء، فصل سوم، جلد۳، ص:۲۱۵، سن اشاعت:۱۲۷۹ھ

بخاری و مسلم نے قتادہ سے، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی[1]، وہ کہتے ہیں: ہم سے ذکر کیا حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غزوۂ بدر کے دن چوبیس سردارانِ قریش کی نسبت (جو قتل کیے گئے تھے) حکم فرمایا، پس ڈال دیے گئے وہ بدر کے کوؤں سے ایک کوئیں میں جو پلید اور پلید کرنے والا تھا اور نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب غالب ہوتے کسی قوم پر یعنی فتح فرمالیتے تو میدان جنگ میں تین رات ٹھہرتے، پس جب حضور کو بدر میں تیسرا دن ہوا، حکم فرمایا اپنی سواری کے اونٹ پر کجاوا کسنے کا، پھر اس سواری پر اس کا کجاوا کس دیا گیا، پس آپ روانہ ہوئے اور آپ کے پیچھے آپ کے اصحاب بھی چلے یہاں تک کہ آپ اس کوئیں کے کنارے ٹھہر گئے (ایک روایت میں "علی قلیب بدر" آیا ہے اور قلیب بھی کوئیں کو کہتے ہیں) پھر آپ نے ان کفار مقتولین کو مع ان کے باپ کے ناموں کے ندا فرمانا شروع کیا کہ اے فلاں بیٹے فلاں کے اور اے فلاں بیٹے فلاں کے! آیا خوش کرتا ہے تم کو کہ فرماں برداری کرتے اللہ اور اس کے رسول کی اور ایمان لاتے؟ کہ بے شک ہم نے بتحقیق پالیا اس چیز کو جس کا وعدہ کیا تھا ہم سے ہمارے رب نے راست و درست، کیا تم نے بھی پالیا اس چیز کو کہ وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے حق؟ (یعنی عذاب) اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: "یا رسول الله، أتكلم أجساداً لا أرواح لها" یارسول اللہ! آپ کیا بات فرماتے ہیں ان بدنوں سے جن میں روحیں نہیں؟ (یعنی یہ تو مردہ ہیں، ان سے بات کرنے کے کیا معنی ہیں) حضور پرنور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "والذي نفس محمد بيده، ماأنتم بأسمع لما أقول منهم، وفي رواية: ما أنتم بأسمع منهم ولكن لا يجيبون"، قسم ہے اس خدا کی جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے، تم

---

[1] مشکاۃ المصابیح، باب حکم الأسراء، فصل اول، ص:۳۴۵، مجلس برکات، مبارک پور

زیادہ سننے والے نہیں اس کو جو میں ان سے کہتا ہوں۔ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔ انتہیٰ۔

مسلم شریف میں بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إن الميت إذا وضع في قبره، إنه ليسمع خفق نعالهم إذا انصرفوا(۱)"۔

یعنی بے شک مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو البتہ دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جب وہ دفن کر کے پلٹتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشے میں وفات پائی تو مکۂ معظمہ میں لائے گئے اور وہیں قبرستان "جنت مَعْلیٰ" میں دفن کیے گئے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج کے واسطے مکۂ مکرمہ تشریف لائیں تو اپنے بھائی حضرت عبد الرحمن کی قبر شریف پر آکر دو شعر پڑھے پھر فرمایا: "والله لو حضرتك؛ مادفنت إلا حيث مت، ولو شهدتك؛ مازرتك" خدا کی قسم، اگر میں آپ کے انتقال کے وقت حاضر ہوتی تو آپ دفن نہ کیے جاتے مگر جہاں آپ نے وفات پائی تھی اور اگر اس وقت میں آپ کے پاس موجود ہوتی تو آپ کی زیارت کو نہ آتی(۲)۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب عرض مقعد المیت الخ، حدیث: ۲۸۷، جلد: ۴، ص: ۲۲۰۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت
(۲) مشکاۃ المصابیح، باب دفن المیت، فصل سوم، ص: ۱۴۹، مجلس برکات، مبارک پور

وہیں دفن ہونا اس واسطے کہ شہرِ موت سے مردے کو نقل نہ کرنا سنت وافضل ہے اور زیارت کو نہ آنا اس لیے کہ کوئی امر واجب نہیں، چوں کہ آپ کے انتقال کے وقت آپ سے ملاقات نہ ہوئی، قبر ہی کی زیارت کرلی کہ قائم مقام ملاقات کے ہوجائے۔

حدیثِ قلیبِ بدر جو بخاری ومسلم سے بیان ہوئی، اس کے تحت میں حضرت محقق دہلوی علیہ رحمۃ اللہ القوی **اشعۃ اللمعات** میں فرماتے ہیں:

"بدانکہ ایں حدیث صحیح متفق علیہ صریح ست در ثبوت سماعِ مر اموات را وحصول علم مر ایشاں را با آنچہ خطاب کردہ می شوند وہمچنیں در حدیث مسلم آمدہ است کہ میت می شنود کوفتنِ نعالِ مردم را وقتیکہ بر می گردند از دفن، وہمچنیں آں کہ در زیارت آں حضرت ﷺ اہل بقیع را آمدہ کہ سلام کرد بر ایشاں وخطاب کرد مر ایشاں را، ودر حدیث ترمذی آمدہ کہ چوں زیارت کرد عائشہ رضی اللہ عنہا قبرِ برادرِ خود را[1]" الخ۔ انتہیٰ۔ ملتقطاً۔

یعنی اس بات کو جان لے کہ یہ حدیث صحیح متفق علیہ **بخاری و مسلم** کی مُردوں کے سننے اور جن باتوں سے وہ خطاب کیے جاتے ہیں انھیں ان کا علم حاصل ہونے کے ثبوت میں صریح ہے، اسی طرح حدیثِ مسلم کہ اس میں آیا ہے کہ میت آدمیوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے جب وہ دفن کرکے پلٹتے ہیں، اسی طرح وہ مضمون جو حضور کے اہل بقیع کی زیارت کرنے میں آیا ہے کہ آپ نے ان پر سلام کیا اور ان سے خطاب فرمایا، اسی طرح حدیث ترمذی کہ اس میں آیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں

---

(۱) اشعۃ اللمعات، باب حکم الأسراء، فصل سوم، جلد ۳، ص: ۲۱۵، سن اشاعت: ۱۲۷۹ھ

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے برادر مکرم حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبر پر تشریف لائیں اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا الی آخر الحدیث۔ انتہی۔

الحمد للہ! ایک بات سے چھٹی پائی، مسئلہ سماع موتیٰ کی تحقیق بقدر ضرورت ہو چکی۔ آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ درجہ کمال پر پہنچ جائے گی۔ رہی سائل کی یہ بات کہ جب مردوں کا سننا ثابت تو آیۂ کریمہ "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" وآیہ "اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ" سے انکار ثابت ہوتا ہے، اس کا کیا جواب ہے؟ اور انھی آیتوں کی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انکار مروی ہوا، اس کا کیا جواب ہے؟

اقول وباللہ التوفیق، وبیدہ إراءۃ سواء الطریق: **اولاً:** اسی مضمون کی تین سورتوں میں تین آیتیں ہیں اور تینوں زندہ کافروں کے بارے میں اتریں جس سے سماعِ نافع وسماعِ قبول کی نفی ہے یعنی جس طرح اموات کی حالت ہے کہ ان کے اعمال ختم ہو چکے، جو بات انہوں نے قبول نہ کی تھی اب اسے سن کر قبول کرنے سے کچھ نفع نہیں، یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ سماع قبول سے بے بہرہ ہیں۔

تفسیر مدارک شریف میں تحت آیت "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" الاٰیۃ ہے: "لِمَا کانوا لا یعُوْن مایسمعون ولا بہ ینتفعون[1]"۔

یعنی جب کہ وہ نہیں نگاہ رکھتے تھے اس کو جو سنتے تھے اور نہ ساتھ اس کے منتفع ہوتے تھے۔

---

[1] تفسیر مدارک، سورۂ نمل، آیت: ۸۰، ص: ۶۲۱، دار الکلم الطیب، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ

اسی تفسیر میں آیہ " اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ " کی توضیح میں ہے: "شبه الكفار بالموتىٰ حيث لا ينتفعون بمسموعهم[1]".

یعنی تشبیہ دی کفار کو مردوں کے ساتھ اس لیے کہ وہ اپنے مسموع سے نفع نہیں حاصل کر سکتے۔

ثانیاً: اگر مان لیا جائے کہ یہ دونوں آیتیں مُردوں ہی کے بارے میں اتریں تو ان میں جو لفظ "مُسْمِعٍ" اور "لَا تُسْمِعُ" کا واقع ہے وہ اسماع سے ہے جس کے معنی سنانا نہ کہ سننا یعنی تم ان کو نہیں سناتے بلکہ سنانا اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔ یہ ارشاداتِ باری تعالیٰ من قبیل " اِنَّکَ لَا تَہْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ " الاٰیۃ وغیرہ کے ہیں، تو ان سے مُردوں کے سننے کا انکار کس طور ثابت ہوا؟ سماع موتیٰ اپنے حال پر برقرار رہا۔

ثالثاً: اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ان آیتوں سے سننے ہی کا انکار پایا جاتا ہے تو پھر کس سے؟ "من فی القبور" سے۔ اور قبروں میں بدن ہیں یا روحیں، ظاہر کہ بدن ہیں، روحیں تو علیین یا سجین وغیرہما میں پہنچیں۔ اس صورت میں بھی ہمارا کوئی ضرر نہیں، ہم بدنوں کے لیے اثباتِ سماع نہیں کرتے بلکہ روحوں کے واسطے سماعت مانتے ہیں۔

---

(1) تفسیر مدارک، سورۂ فاطر، آیت: ۲۲، ص: ۴۸۰، دار الکلم الطیب، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ

شاہ عبد القادر دہلوی علیہ الرحمہ **موضح القرآن** میں ''وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ''
کے نیچے تحریر کرتے ہیں: ''حدیث میں آیا ہے کہ مُردوں سے ''سلام علیک'' کرو، وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مُردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سن سکتا ہے[1]۔ انتہیٰ۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انکار کی یہ وجہ ہوئی کہ ان کے سمع شریف تک یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کفار مقتولین سے جو بحکمِ حضور بدر کے کوئیں میں ڈال دیے گئے تھے، کلام فرمایا۔ اس پر حضور سے استفسار کیا کہ یہ تو مردہ ہیں، کیسے سن سکتے ہیں؟ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس سے تعجب ہوا کہ حق تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ آپ مُردوں کو نہیں سناتے اور حضور نے مردوں کو سنایا، لہٰذا انہوں نے قولِ حضرت عمر کو خلاف آیات سمجھ کر نہ مانا اور فرمایا: ''كيف يقول عليه الصلاة والسلام ذٰلك؟ والله تعالىٰ يقول: ''وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ'' ''وَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتیٰ'' حضور کیسے یہ فرمائیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو قبروں میں ہیں، ان کو تم سنانے والے نہیں اور تم مُردوں کو نہیں سناتے''۔

حضرت عائشہ اگر حاضرِ واقعہ ہوتیں تو فعلِ شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے کلام الٰہی کو زندوں پر محمول سمجھ کے تعجب میں نہ پڑتیں۔ یہ سب کچھ سہی، حضرت عائشہ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے مُردوں کو سنانے ہی کا تو انکار فرمایا، مردوں کے سننے کا تو انکار نہ کیا، اس میں ہمارا کیا نقصان ہوا؟

---

[1] تفسیر موضح القرآن، سورۂ فاطر، آیت: ۲۲، ص: ۴۸۰، ممتاز کمپنی، کشمیری بازار، لاہور

سماع موتیٰ تو اپنے حال پر ثابت رہا، سماع موتیٰ میں حضرت عائشہ کو کچھ بھی تردد نہیں، اس پر تین دلیلیں نہایت واضح ہیں۔

(۱) اپنے برادر مکرم کی قبر پر جا کر ان سے مخاطب ہو کر بات چیت فرمائی، اگر سماع کو حق نہ جانتیں تو پھر اپنے بھائی سے خطاب کر کے کلام کیوں کر کرتیں؟

(۲) حضور سے دریافت کیا کہ میں زیارت قبور میں مُردوں سے کیا کہا کروں؟

(۳) خود روایت فرماتی ہیں کہ حضور پر نور آخر شب میں قبرستانِ بقیع تشریف لے جاتے اور اہل قبور سے مخاطب ہو کر فرماتے: "السلام علیکم دار قوم مؤمنین" الخ. یہ تینوں حدیثیں اوپر گزر چکیں۔

الغرض نہ سماعِ اموات میں کلام، نہ اسماعِ حضور میں مجال گفتگو، چونکہ متعدد صحابہ حاضرِ واقعہ تھے، لہذا محققین نے قولِ حضرتِ عمر کے رد کی کوئی سبیل نہ دیکھی، لا محالہ قول حضرت عائشہ کو جمہور محققین نے قبول ہی نہ فرمایا اور حضرت عائشہ نے جو آیات قرآنی سے استدلال کیا، اس کے جوابات معقول علمائے فحول نے دیئے کہ "موتی" و "من فی القبور" سے مراد کفار احیا یعنی زندہ اور سماع سے مراد سماعِ نافع و سماعِ قبول کی نفی جیسا کہ گزر چکا۔

اشعۃ اللمعات میں ہے: "**علما جواب دادہ اند از قول عائشہ واستدلال او بقرآن و قبول نہ کردہ اند ایں قول را از عائشہ**[1]"۔

---

[1] اشعۃ اللمعات، زیر حدیثِ ابو طلحہ، باب حکم الاسراء، فصل، جلد ۳، ص: ۲۱۶، سن اشاعت: ۱۲۷۹ھ

یعنی علمانے قول حضرت عائشہ کے اور قرآن شریف سے ان کے دلیل پکڑنے کے جواب دیئے اور اس قولِ حضرت عائشہ کو قبول ہی نہ کیا۔

حیات الموات حضرت مجددمائۃ موجودہ، قاتلِ فرقِ مردودہ، محی الملۃ والدین، افضل المحققین حضرت فاضل بریلوی اَدَام فُیوضَہ المولی القویُ میں ہے:۔

"عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب الجنائزِ، باب ماجاء فی القبر میں ہے: "قلت: هذا من عائشة ﷺ يدل على أنها ردت رواية ابن عمر المذكورة، ولكن الجمهور خالفوها في ذٰلك وقبلوا حديث ابن عمر لموافقة من رواه غيره" یعنی میں کہتا ہوں، یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ ام المومنین نے روایت ابن عمر ﷺ کو رد فرمایا مگر جمہور علمانے اس باب میں ام المومنین کا خلاف کیا اور حدیث ابن عمر مقبول رکھی کہ اور صحابہ نے بھی اس کے موافق روایت کی[1]"۔انتہیٰ۔

اس تمام بحث سے قطع نظر کیجئے اور اس ساری گفتگو کو جانے دیجیے، خود حضرت عائشہ کا اپنے اس قول سے رجوع فرمانا ثابت ہوا، چونکہ کئی صحابیِ جلیل القدر سے اہلِ قلیب والی روایت ان کے سمع شریف تک پہنچی اور خود اس موقع پر تشریف فرمانہ تھیں، لہٰذا اپنے اس قول سے رجوع فرمائی اور خود ایک حدیث مثل حدیثِ حضرت عمر کے روایت کی۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ، جلد۹، ص:۹۱۵، کتاب الجنائز، رسالہ: "الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین"۔ یہ رسالہ اصل میں "حیات الموات فی بیان سماع الأموات" کی تذییل ہے جو مسئلۂ یمین وکلام ام المؤمنین سے متعلق ہے مگر اپنے مباحث جلیلہ کی وجہ سے ایک مستقل رسالہ کی شکل اختیار کر گیا۔ تفصیل اس کی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے رسالۂ ہٰذا کے اخیر میں فرمائی ہے۔

اشعۃ اللمعات میں ہے: ''**تحقیق ذکر کردہ است در مواہب لدنیہ کہ در مغازی محمد بن اسحٰق باسناد جید، وامام احمد بن حنبل نیز باسناد حسن از عائشہ مثل حدیث عمر آوردہ۔ پس گویا عائشہ رجوع کردہ از انکار بسبب آنچہ ثابت شد نزدِ وے از روایت ایں صحابہ کبار، زیرا کہ وے ﷺ حاضر نبود دراں قضیہ، ودر شروح بخاری نیز مثل ایں کلام مذکورہ شدہ**[1]''۔

یعنی تحقیق **مواہب لدنیہ** میں ذکر کیا ہے کہ **مغازیِ محمد اسحٰق** میں اسناد جید کے ساتھ اور **امام احمد بن حنبل** بھی اسناد حسن کے ساتھ حضرت عائشہ سے مثل حدیثِ عمر کے لائے۔ پس گویا حضرت عائشہ نے اپنے انکار سے رجوع کی۔ وجہ یہ کہ ان کے نزدیک ثابت ہو گیا ان صحابہ کبار سے اور وہ اس واقعہ میں حاضر نہ تھیں اور **شروح بخاری شریف** میں بھی یہ بیان ہے۔ انتہیٰ۔

اب صرف انکارِ فقہا کے متعلق تحقیق باقی رہی، وہ بھی سناتا ہوں۔ فقہا نے کتاب الایمان میں ذکر فرمایا، اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں آدمی سے بات نہ کروں گا، پھر اس کے مرنے کے بعد اس نے اس سے کلام کیا تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی، اس لیے کہ میت نہیں سنتی۔

اقول: فقہا کی غرض تحقیق مسئلہ سماعِ اموات نہیں بلکہ وہ قسم کے منعقد ہونے نہ ہونے سے بحث کرتے ہیں، یہی ان کا مقصودِ اصلی، یہی امرِ مبحوث عنہ اور حنفیہ کے وہاں قسموں کی بنا عرف وعادت پر ہے۔ **مثلاً:** اوپر والی صورت کہ زید نے قسم کھائی کہ میں بکر سے کلام نہ کروں گا، پھر بکر کے مرنے کے بعد زید نے کلام کیا تو اب وہ حانث یعنی قسم کا توڑنے والا نہ ہو گا، اس لیے کہ زید نے

---

(1) اشعۃ اللمعات، باب حکم الأسراء، فصل سوم، زیر حدیث ابو طلحہ، جلد ۳، ص: ۲۱۶

حالتِ زندگی میں کلام کرنے کی قسم کھائی تھی اور عرف میں جب تک روح بدن میں ہے؛اسی وقت تک زندگی کا اطلاق ہوتا ہے، روح بدن میں ہو کر زید کا کلام سنتی تو قسم ٹوٹ جاتی۔اب کہ روح کا فراق بدن سے ہوا اور عرف نے بکر کو زندہ نہ کہا تو روح کے سننے سے فقہا کو کیا سروکار رہا، وہ سنا کرے مگر ان کی بحث سے اس کا سننا خارج۔جب اپنے انہیں جسمانی کانوں سے سنتی تو فقہا اپنے مطلوب کے موافق اس کا سننا مانتے اور یہ نہ فرماتے کہ میّت نہیں سنتی،اگر مجرد روح کے سننے سے انکار ہوتا تو تلقین مردہ کی اجازت نہ دیتے، زیارتِ قبور میں سلام سے منع کرتے اور ان دونوں مقام پر بھی یہی کہہ دیتے کہ میّت نہیں سنتی،اس کو تلقین مت کرو،اس پر سلام نہ کرو۔بلکہ وہاں تو صاف فرمادیا کہ دفن کے بعد تلقین نہ کرنا ہم اہل سنت کا مذہب نہیں بلکہ معتزلہ کا مشرب ہے یعنی ہم تو سماع موتی کے قائل ہیں،اگر انکار ہے تو انہیں کو۔الحمد للہ کہ انہیں چند جملوں میں سارا مطلب حل ہو گیا،فقہا کا سماع موتی کو حق جاننا مثلِ نہار آشکار ہوا۔

اب قسموں کے مبنی علی العرف ہونے کا ثبوت لو:

فتح القدیر، باب الیمین فی الدخول میں ہے: قوله:"(لایدخل بیتا فدخل الكعبة أو المسجد أو الكنيسة) وهي معبد اليهود، أوالبيعة وهي معبد النصارىٰ، لم يحنث لأن الأصل أن الأيمان مبنية على العرف عندنا لاعلى الحقيقة اللغوية كما نقل عن الشافعي، ولاعلى الاستعمال القرآني كما عندمالك، ولا على النية مطلقاً كما عند أحمد[1]".

---

(۱) فتح القدیر، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول والسکنی، جلد ۵، ص:۹۶، دار الفکر، بیروت

یعنی صاحب ہدایہ کا قول کہ نہیں داخل ہو گا گھر میں، پھر داخل ہوا کعبہ معظمہ یا مسجد یا کنیسہ عبادت گاہِ یہود میں یا بیعہ عبادت گاہ نصاریٰ میں تو حانث نہ ہو گا، اس لیے کہ در اصل ہمارے نزدیک قسمیں عرف پر مبنی ہیں نہ حقیقت لغویہ پر جیسا کہ شافعی سے منقول ہے اور نہ استعمال قرآنی پر جیسا کہ امام مالک کے نزدیک ہے اور نہ مطلق نیت پر جیسا کہ امام احمد کے نزدیک ہے ۔انتہیٰ۔

کافی شرح وافی میں ہے:"الأصل أن الألفاظ المستعملة مبنية على العرف عندنا[۱]".

یعنی اصل یہ ہے کہ قسموں میں جو الفاظ مستعمل ہیں، وہ ہمارے نزدیک عرف پر مبنی ہیں ۔انتہیٰ۔

عینی شرح کنز میں ہے:"عندنا مبنية على العرف، وعندالشافعي وأحمد على الحقيقة، وعندمالك على معاني كلم القرآن[۲]".

یعنی ہمارے نزدیک قسمیں عرف پر مبنی ہیں اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حقیقت پر اور امام مالک کے نزدیک معانیِ کلماتِ کلام مجید پر۔انتہیٰ۔

---

[۱] کافی شرح وافی (مخطوطہ) کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول والسکن، ص:۳۸۶، تاریخ تکمیل:۱۰۲۸ھ

[۲] رمز الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول والسکنی، جزوِ اول، ص:۲۵۷، سن اشاعت ۱۲۸۵ھ

حیاۃ الموات میں ہے: "**فتح القدیر** میں خاص ہمارے مسئلۂ دائرہ کے مبنی علی العرف ہونے کی تصریح کی، فرماتے ہیں: "يمينه لا ينعقد إلا على الحي، لأن المتعارف هو الكلام معه[۱]"، یعنی یہ قسم حالت زندگی ہی میں منعقد ہوگی کہ عرف میں کسی سے بولنا اس کی زندگی ہی میں بات کرنے کو کہتے ہیں"۔

علامہ علی قاری مکی حنفی **مرقاۃ** شرح مشکوٰۃ شریف میں اس مسئلے کو ذکر کرکے فرماتے ہیں:

"هذا منهم مبني على أن مبنى الأيمان على العرف، فلا يلزم نفي حقيقة السماع كما قالوا في من حلف: لا يأكل اللحم، فأكل السمك مع أنه تعالىٰ سماه لحماً طرياً[۲]".

یعنی ہمارے علما کا یہ ارشاد کہ موت کے بعد کلام سے قسم نہ ٹوٹے گی، اس پر مبنی ہے کہ قسم کی بنا عرف پر ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردے حقیقتاً نہیں سنتے۔ جس طرح ہمارے علما نے فرمایا کہ جو گوشت کھانے کی قسم کھائے، مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اسے تروتازہ گوشت فرمایا۔

اسی طرح شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث حنفی **اشعۃ اللمعات** شرح مشکوۃ میں بعد ذکر مسئلہ کہ "**اگر یکے سوگند خورد کہ کلام نہ کنم، پس کلام کرد او را بعد مُردنِ او، حانث نمی گردد**"۔ اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں: "**مبنائے ایمان بر عرف وعادت ست، نہ بر حقیقت**[۳]"۔ انتہیٰ۔

---

(۱) فتح القدیر، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الکلام، جلد ۵، ص: ۱۴۲، دار الفکر، بیروت
(۲) مرقات المفاتیح، باب حکم الأُسراء، فصل سوم، جلد ۶، ص: ۲۵۵۴، دار الفکر بیروت، طبع اول، ۱۴۲۲ھ
(۳) اشعۃ اللمعات، باب حکم الأُسراء، فصل سوم، زیر حدیث ابو طلحہ، جلد ۳، ص: ۲۱۵

دیکھو !خالد نے قسم کھائی کہ عمرو سے بات چیت نہ کروں گا، چند روز کے بعد عمرو خدائے تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گیا، پھر خالد اس کی لاش پر گیا اور کلام کیا تو حانث نہ ہوا، حالانکہ اللہ عزوجل نے اپنے کلام پاک میں عمرو کو مُردہ کہنے سے منع فرمایااور اس کو زندہ کہا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:''وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہ اَمْوَاتٌؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ [1]'' (اور مت کہو ان کو جو خدا کے راستے میں مارے گئے ہیں، مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تم کو خبر نہیں) دوسری جگہ فرمایا:''وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ [2]'' (اور مت گمان کر ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں، مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک، روزی دیئے جاتے ہیں)۔ ان آیتوں کی بنا پر چاہیے کہ خالد کی قسم ٹوٹ جائے اور وہ حانث ہو جائے، حالانکہ یہ بات نہیں پھر کیا سبب ہے؟ وہی کہ قسمیں عرف وعادت پر مبنی ہیں۔ ان دونوں آیتوں سے زندگیِ شہدا ثابت اور یہ بات **تذکرہ الموتیٰ والقبور** وغیرہ میں ثابت کی گئی ہے کہ اولیاء اللہ شہدا سے افضل ہیں کہ انہوں نے جہاد اپنے نفس سے کیا اور پیغمبروں کے مرتبۂ اعلیٰ وارفع کا کیا پوچھنا![3] تو آیتیں جو ذکر ہوئیں، ان سب کی زندگی پر دال۔ جب یہ سب کے سب زندہ تو ان سے سماع کا ازالہ کیسے ہو گیا؟

---

(۱) پ ۲، سورۂ بقرہ، آیت: ۱۵۴

(۲) پ ۴، سورۂ آل عمران، آیت: ۱۶۹

(۳) تذکرۃ الموتیٰ والقبور (مخطوطہ)، باب ''در مقرارواح'' فائدہ: ''حق تعالیٰ در حق شہدا می فرماید'' الخ ص: ۴۶، گنج بخش لائبریری، پاکستان

مواہب لدنیہ میں ہے:"أما الإدراكات كالعلم والسماع، فلاشك أن ذٰلك ثابت لهم (أي للأنبياء) بل ولسائر الموتىٰ[1]".

یعنی لیکن ادراکات مثل علم وسماع کے، پس اس میں شک نہیں کہ یہ سب ثابت ہیں پیغمبروں کے لیے بلکہ باقی تمام مُردوں کے واسطے۔

جذب القلوب اِلی دیار المحبوب لمولانا الشیخ عبدالحق الدہلوی علیہ الرحمۃ القوی میں ہے: **"بدانکہ علّامہ قونوی گفتہ است: درمیان قبور سائر مومنین وارواح ایشاں نسبت خاصی ست مستمر کہ بداں زائراں رامی شناسد وردِّ سلام بر ایشاں می کنند بدلیل استحبابِ زیارت در جمیع اوقات۔ بعد ازاں احادیث کثیرہ دریں باب می آرد ومی گوید کہ جمیع ایں احادیث دلالت دارد برآں کہ اموات را ادراک وسماع حاصل ست**[2]۔انتہیٰ۔ملتقطاً،

یعنی علّامہ قونوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تمام مومنوں کی قبروں اور روحوں کے درمیان ایک خاص نسبت ہے ہمیشہ کہ اسی سے زیارت کرنے والوں کو پہچانتی اور جوابِ سلام ان کو دیتی ہیں اور اس خاص نسبت کے ہمیشہ رہنے پر دلیل یہ ہے کہ زیارتِ قبور ہر وقت مستحب ہے۔ اس کے بعد بہت سی حدیثیں اس بارے میں لائے، پھر فرمایا: یہ سب حدیثیں اس پر دلالت رکھتی ہیں کہ مُردوں کو ادراک وسماع حاصل ہے۔انتہیٰ۔

---

(۱) المواہب اللدنیہ، مقصد چہارم، فصل دوم، قسم چہارم، "فیما اختص بہ ﷺ من الفضائل"- منھا: أنہ حي في قبرہ، جلد۳، ص:۳۹۴، مکتبہ توفیقیہ، مصر

(۲) جذب القلوب اِلی دیار المحبوب، باب چہار دہم، ص:۲۰۶، مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ

الحاصل سیکڑوں حدیثیں اور ہزاروں آثار واقوالِ آبدار، معتبر ومستند علمائے کبار، سماع اموات میں موجود، جن کا حصر نہایت دشوار، نہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس میں انکار وخلاف، نہ فقہائے کرام کا اختلاف، تمام اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق، جملہ اہل حق وہدایت کا وفاق، اس کا منکر بدعتی وگمراہ، گروہ اہل سنت سے جدا۔ اتفاقِ اہل سنت سے بڑھ کر اور کیا تصریح ہوگی۔

اسی **جذب القلوب** میں ہے: **"بدانکہ تمامہ اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بثوتِ ادراکات مثلِ علم وسمع مر سائر اموات را از آحاد بشر**[1]**"**۔

جامع البرکات میں ہے: **"سمہودی می گوید کہ تمام اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بثبوتِ ادارک مثلِ علم وسماع وبصر مر سائر اموات را از آحاد بشر**[2]**"**۔

بس کنم بہر ہدایت ایں بس ست
جملہ کافی ست گر سامع کس ست[3]

والحمد لله رب العٰلمين، والصلاة والسّلام علىٰ أشرف الأنبياء والمرسلين، وعلى اٰله وصحبه أجمعين.

❁❁❁❁❁❁❁

---

[1] جذب القلوب اِلی دیار المحبوب، باب چہار دہم، "در فضائل زیارت سید المرسلین، ص:۲۰۰-۲۰۱، مطبوعہ منشی نوی کشور، لکھنؤ
[2] فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، ص:۸۰۱، بحوالہ جامع البرکات مصنفہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی
[3] ترجمہ: میں بس کرتا ہوں کہ ہدایت کے لیے یہی بس ہے، ایک جملہ ہی کافی ہے اگر سننے والا آدمی ہے۔

سوال ششم

قبروں پر روشنی کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب سوال ششم

قبروں پر روشنی کے اگر یہ **معنی** ہیں کہ قبروں کی چھت پر چراغ روشن کیے جائیں تو یہ ممنوع اس لیے کہ اس میں میّت کی ایذا متصور و متحقق۔ جیسا کہ **امام احمد** رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ

"رأني النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متکئا علی قبر، فقال:"لا توذ صاحب القبر أولا توذه[۱]".

مجھ کو نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا: اس قبر والے کو ایذا مت دے یا فرمایا: اس کو ایذا مت دے۔

طبرانی اور **حاکم** نے انہیں حضرت عمرو بن حزم سے روایت کی کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا:"یا صاحب القبر! انزل من علی القبر، لا توذ صاحب القبر ولا یؤذیك[۲]".

یعنی اے صاحب قبر! قبر سے اتر آ، قبر والے کو ایذا مت دے، وہ تجھ کو ایذا نہیں دیتا ہے۔

---

[۱] مسند حنبل، مسند عمرو بن عزم انصاری، جلد۹، ص:۶۷۴، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ

[۲] (الف) شرح الصدور بشرح الموتی والقبور، باب تأذیہ بسائر وجوہ الأذی، ص:۲۹۲، دار المعرفۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۷ھ

(ب) المستدرک علی الصحیحین، حدیث:۶۵۰۲، جلد۳، ص:۶۸۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۱ھ

اور اگر یہ **معنی** ہیں کہ سقف قبر کو چھوڑ کر قبر کے قریب ہو، تو اس کی دو شقیں ہیں۔ **شق اول:** یوہیں بے فائدہ تیل خرچ کیا گیا، خواہ یوں کہ اس سے کوئی غرضِ صحیح و منفعت ہو ہی نہیں یا غرض و منفعت مقصودہ کی مقدار سے زیادہ ہو کر بے فائدہ ہو تو یہ اسراف و فضول خرچی ہوئی اور یہ بنص قرآنی ممنوع۔ کقولہ تعالیٰ: ''وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ[1]''، یعنی فضول خرچی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہ صورت کچھ قبر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، جہاں پائی جائے گی؛ لغو و اسراف ہی قرار دی جائے گی۔

شق ثانی کے دو حال: **اول** حاجت جیسے **(۱)** قبر بر سرِ راہ ہے، اس روشنی سے راستہ چلنے والوں کو نفع پہنچتا ہے۔ **(۲)** یا کسی مسجد کے متصل ہے کہ مصلّیوں کو آرام ملتا ہے۔ **(۳)** یا مزار کسی ولی کا ہے، لوگ وہاں حاضر ہوتے، فاتحہ پڑھتے، اس سے تبرک چاہتے، وہاں دعائیں مانگتے، اس کے فیوض و برکات سے مُتَمَتِّعْ ہوتے ہیں، ان کے آرام کو شمع روشن کی۔

دوم منفعت کہ کوئی امر حسن و محمود و کارِ خیر مقصود ہو اور اس کے حدود سے باہر بے سود کی حد تک نہ بڑھے، تو یہ اسراف میں داخل نہیں کہ ''لا إسراف في الخیر ولا خیر في الإسراف''، فضول خرچی خیر میں نہیں اور فضول خرچی میں خیر نہیں۔

منفعت و نیتِ محمود کی متعدد صورتیں ہیں:

---

[1] پ۸، سورۂ انعام، آیت: ۱۴۱

(۱) تعظیم شعائرُ اللہ مثل مساجد وغیرہ، اس میں اسراف کیا معنی بلکہ یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔"قال اللہ عَزَّ اسْمُهٗ:" وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ[1]"،اور جس نے تعظیمِ شعائرُ اللہ کی تو وہ بے شک پرہیز گاریِ قلوب سے ہے۔

(۲) تعظیم ذکر اللہ تعالیٰ مثل مجالس وعظ وختمِ قرآن شریف وغیرہ میں۔

(۳) تعظیم اشیاے معظمہ ومکرمہ فی الدین علی الخصوص ستائیسویں شب قدر یا پندرہویں شعبان شب برأت میں۔

(۴) تعظیم وتکریمِ محبوبِ خداے کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جیسے مجالس میلاد شریف وشب ولادت وشب معراج میں۔

(۵) رفعتِ شانِ محبوبانِ خدا من الصحابة والاولیاء والعلماء الصالحین والمشائخ المتقین۔ جیسے ان کے مقامِ تشریف آوری ومکانِ جلوہ افروزی یا ان کی دعوت وغیرہ میں جھاڑ، فانوس، قندیل، شمع وغیرہ اسی وجہ مذکور پر کہ منفعت کے حدود سے بڑھنے نہ پائے۔

(۶) رفعتِ شان وشوکت صالحینِ اہل قبور مقصود، نظرِ عوام میں اس روشنی کے باعث اس مردِ بزرگ صاحب قبر کی قدر ومنزلت ہوتی ہے۔

(۷) اس بات کی علامت قائم کرنا کہ یہ مزار کسی ولی اللہ کا ہے تاکہ لوگ بے ادبی سے باز رہیں اور اس سے نفع پائیں۔ اس میں وقارِ صاحبِ مزار بھی اور نفعِ زُوّار بھی ہے۔

---

[1] پ ۱۷، سورۂ حج، آیت: ۳۲

یہ سب صورتیں جائز ہیں، ان کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔

شرح طریقۂ محمدیہ میں امام نابلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "قال الوالد في شرحه على شرح الدُرَر من مسائل متفرقة: "إخراج الشموع إلى رأس القبور بدعة وإتلاف مال، كذا في البزارية". انتهى. وهذا كله إذا خلامن فائدة، وأماإذا كان موضع القبور مسجداً أو على طريق أو كان هناك أحد جالسا أو كان قبر ولِيٍّ من الأولياء أو عالم من المحققين، تعظيماً لروحه المشرقة على تراب جسده كأشراق الشمس على الأرض، إعلاما للناس أنه ولِيٌّ ليتبركوا به ويدعواالله عنده فيستجاب لهم، فهو أمر جائز لا منع فيه، والأعمال بالنيات[1] الخ".

یعنی میرے والد نے شرح دُرَر پر جو شرح لکھی ہے، اس کے مسائل متفرقہ میں فتاویٰ بزازیہ سے یہ نقل فرما کر کہ قبروں کے سرہانے شمعوں کا جلانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے۔ انتہیٰ۔ یوں شرح کی کہ یہ سب بیان مذکور اس صورت میں ہے کہ جب فائدے سے خالی ہو۔ لیکن جب قبروں کی جگہ کوئی مسجد ہو یا قبر راستے پر ہو یا اس جگہ کوئی بیٹھتا ہو یا اولیاء اللہ سے کسی ولی کی قبر ہو یا معتبر عالم کی ہو؛ ان کی روح کی تعظیم کے واسطے جو ان کے بدن کی مٹی پر ایسی چمکتی ہے جیسے سورج زمین پر چمکتا ہے اور لوگوں کے آگاہ کرنے کے لیے کہ یہ کوئی ولی ہیں تاکہ وہ اس سے برکت حاصل کریں اور اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ان کی دعا مقبول کی جائے تو یہ ایک امر جائز ہے، اس میں کوئی ممانعت شرعی نہیں اور عملوں کا دار مدار نیتوں پر ہے۔ الخ

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، إیقاد الشموع فی القبور، مکتبہ نوریہ رضویہ، لائل پور، پاکستان

امام حجۃ الاسلام غزالی قُدِّسَ سِرُّہٗ العَالِی **احیاء العلوم** شریف میں فرماتے ہیں:"حکی أبو علي الرودباري رحمه الله تعالیٰ عن رجل أنه اتخذ ضیافة، فأوقد فیها ألف سراج، فقال له رجل: قد أسرفت، فقال له: ادخل، فکلما أوقدته لغیر الله فأطفئه، فدخل الرجل، فلم یقدر علی إطفاء واحد منها، فانقطع[1]".

یعنی عارف باللہ، امام اجل، سیدنا ابو علی رود باری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے کہ ایک صاحب نے ضیافت کی، اس میں ہزار چراغ روشن کئے۔ اس پر کسی نے کہا: آپ نے اسراف کیا۔ صاحب خانہ نے فرمایا: اندر آؤ، جو چراغ میں نے غیر خدا کے لیے روشن کیا ہوا، سے بجھادو۔ وہ معترض صاحب اندر گئے اور ہر چند بجھانا چاہا، ان میں سے ایک چراغ بھی نہ بجھا سکے، آخر بند ہو گئے۔

روح البیان میں آیہ " اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَاللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ "کی تفسیر میں مسطور:"اعلم أن عمارة المساجد تعم انواعاً: منها البناء وتجدید ما انهدم منها. ومنها قمها أي کنسها وتنظیفها. ومنها تزیینها بالفرش، أول من فرش الحصیر في المساجد عمر بن الخطاب، وکانت قبل ذٰلك فی زمنه ﷺ مفروشة بالحصیٰ، وهو بالفارسیة "سنگ ریزه". ذکر أن الولید بن عبد الملك أنفق علی عمارة مسجد دمشق فی تزیینه مثل خراج الشام ثلث مرات، وروي أن سلیمان بن داؤد علیهما السلام بنی مسجد بیت المقدس وبالغ فی تزیینه حتی نصب الکبریت الأحمر علی رأس القبة، وکان أعز ما یوجد في ذٰلك الوقت، وکان یضیئی من میل، وکانت الغَزَّالات یغزلن في ضوئه من مسافة اثني عشر میلا، وکان علی حاله حتی خربه بُخْتَ

[1] احیاء العلوم، ربع العادات، کتاب آداب الأکل، الباب الأول فیما لابد للمنفرد منه، جلد ۲، ص:۲۰، دار المعرفة، بیروت

نَصَّر ونقل جميع مافيه من الذهب والفضة والجواهر والآنية إلى أرض بَابِل، وحمل مأة ألف وسبعين عجلة. ومنها تعليق القناديل في المساجد، وإسراج المصابيح والشموع، وفي الحديث:"من علق قنديلا؛ صلىٰ عليه سبعون ألف ملك حتى ينكسر ذٰلك القنديل" كما في الكشف، وقال أنس رضى الله عنه:"من أسرج في مسجد سراجاً لم تزل الملائكة وحملة العرش تستغفر له مادام في ذٰلك المسجد ضوؤه" وكان سليمان عليه السّلام أمر باتخاذ ألف وسبع مأة قنديل من الذهب فى سلاسل الفضة. ذكر أن مسجد النبيﷺ كان إذا جاءت العَتَمَة؛ يوقد فيه سعف النخل، فلما قدم تميم الداري المدينة؛ صحب معه قناديل وحبالا وزيتا، وعلق تلك بسواري المسجد وأوقدت، فقالﷺ:"نورت مسجدنا؛ نور الله قلبك" وفي كلام بعضهم:أول من جعل فى المسجد المصابيح عمر بن الخطاب، ويوافقه قول بعضهم:"والمستحب من بِدَع الأفعال تعليق القناديل فيها يعني المساجد، وأول من فعل ذٰلك عمر بن الخطابؓ، فإنه لما جمع الناس على أُبَيّ بن كعبؓ في صلاة التراويح؛ علق القناديل، فلما رأٰها علي كرم الله وجهه الكريم تزهر؛ قال: نورت مسجدنا، نور الله قبرك يا ابن الخطاب". ولعل المراد تعليق ذٰلك بكثرة، فلا يخالف ما تقدم عن تميم الداري. وعن بعضهم، قال: أمرني المأمون أن اكتب بالاستكثار من المصابيح في المساجد، فلم أدر ما أكتب، لأنه شيئ لم أُسْبَق إليه، فأُريت في المنام اكتب، فإنه فيه أنسا لِلمجتهدين ونفيا لبيوت الله تعالىٰ عن وحشة الظلم، فانتبهت وكتبت بذٰلك. الكل من "إنسان العيون في سيرة النبي المامون".قال الشيخ عبد الغني النابلسي في "كشف النور عن أصحاب القبور" ما خلاصته أن البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة، فبناء القباب على قبور العلماء والأولياء

والصلحاء، ووضع الستور والعمائم والثياب على قبورهم أمر جائز إذا كان القصد بذلك التعظيم في أعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر، **وكذا** إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال أيضا للأولياء، فالمقصد فيها مقصد حسن، ونذرالزيت والشمع للأولياء يوقد عند قبورهم تعظيما لهم ومحبة فيهم، جائز أيضا، لا ينبغي النهي عنه[1] .انتھی.مختصراً“

یعنی جان لو کہ عمارت مسجدوں کی عام ہے ازروے قسموں کے یعنی بہت سی قسموں کو شامل ہے۔ **ایک:** ان قسموں سے مسجدوں کا بنانا ہے اور ان میں سے جو ٹوٹ پھوٹ جائے یا گر پڑ جائے اس کی مرمت۔ **دوسری قسم:** ان میں سے جاروب کشی یعنی کوڑے کچرے سے صفائی وپاکیزگی۔ **تیسری قسم:** ان کو فرش وفروش سے زینت دینا، جس نے سب سے پہلے مسجدوں میں چٹائی کا فرش کیا، وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اس سے پہلے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانۂ مبارک میں مسجدوں میں سنگ ریزے بچھے ہوئے تھے۔ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ولید بن عبد الملک نے عمارتِ مسجدِ دمشق کی زینت میں مثلِ خَراج وآمدنیٔ ملک شام سے سہ چند خرچ کیا۔ اور روایت کی گئی ہے کہ حضرت سلیمان بن حضرت داوٗد علیہما السلام نے مسجد بیت المقدس کو بنایا اور اس کی زینت میں مبالغہ وزیادتی کی یہاں تک کہ کبریت احمر قبے کے سر پر نصب کیا اور اس زمانے میں اس سے عزیز الوجود کوئی چیز نہ پائی جاتی تھی اور وہ کئی میل سے چمکتا تھا اور اس کی روشنی میں سوت کاتنے والیاں بارہ میل کے فاصلہ سے سوت کات لیتی تھیں اور وہ اپنے حال پر قائم رہا یہاں تک کہ کافر

---

(۱) تفسیر روح البیان، زیر آیت: ”اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللہِ“ الخ سورۂ توبہ، جلد ۳، ص: ۳۹۸ تا ۴۰۰، دار الفکر، بیروت

بادشاہ ''بُخْتَ نَصَّر'' نے اس کو خراب کر ڈالا اور جو کچھ اس میں سونے، چاندی، جواہر، ظروف سے تھا وہ سب زمین بابل کی طرف لے گیا اور ایک لاکھ ستر ہزار چھکڑے لادے تھے۔ **چوتھی قسم:** قندیلوں کا مسجدوں میں لٹکانا اور چراغوں اور شمعوں کا جلانا۔ حدیث شریف میں وارد ہوا: جس شخص نے مسجد میں قندیل لٹکایا، اس پر ستر ہزار فرشتے درود بھیجتے ہیں جب تک وہ قندیل نہ ٹوٹے، ایسا ہی کشف میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس نے مسجد میں چراغ روشن کیا، اس کے لیے فرشتے اور عرش کے اٹھانے والے برابر بخشش چاہتے رہتے ہیں جب تک اس مسجد میں اس کی روشنی رہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار سات سو سونے کی قندیلوں کے بنانے اور تیار کرنے کا حکم فرمایا، جن میں چاندی کی زنجیریں تھیں۔ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جب اندھیری کا وقت آتا تو کھجور کی شاخیں مع پتوں کے روشن کی جاتیں، پھر جب حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۂ طیبہ میں حاضر ہوئے، اپنے ہمراہ قندیلیں اور رسّیاں اور تیل لائے، ان قندیلوں کو مسجد اقدس کے ستونوں میں لٹکا کر روشن کر دیا۔ تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا، اللہ تعالیٰ تیرے قلب کو نورانی فرمائے۔ اور بعضوں کے کلام میں یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے مسجد میں چراغ رکھے، وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور بعض علما کا کلام اس کی موافقت کرتا ہے کہ مستحب جدید کاموں سے مسجدوں میں قندیلوں کا لٹکانا ہے اور اس کام کو اول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا، جب انہوں نے نماز تراویح کے واسطے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جمع فرمایا یعنی ان کو امام بنایا تو قندیلوں کو مسجد میں لٹکانے کا حکم دیا، پس جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو چمکتے دیکھا تو فرمایا: تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا، اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن فرمائے، اے خطاب کے

بیٹے۔اور شاید مراد اس لٹکانے سے کثرت ہو یعنی کثرت سے قندیلوں کو لٹکا کر حضرت عمر نے روشن فرمایا، لہذا یہ اس کے مخالف نہ ہو گا جو حضرت تمیم داری سے پہلے گزر چکا کہ انہوں نے متعدد قندیلوں کو مسجد نبوی میں روشن کیا تھا۔اور بعض علما سے مروی ہے کہ مجھ کو مامون خلیفہ بغداد نے حکم دیا کہ میں تمام نواح کے مسلمانوں کو لکھوں کہ کثرت سے مسجدوں میں چراغ روشن کریں۔ میری سمجھ میں نہ آیا اس لیے کہ یہ ایک ایسی چیز تھی جو پہلے نہ ہوئی تھی، پس مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ تو لکھ اس لیے کہ اس میں عبادت میں کوشش کرنے والوں کے واسطے انس ہے اور اندھیریوں کی وحشت کو اللہ تعالیٰ کے گھروں سے دور کرنا ہے۔ پھر میں خواب سے بیدار ہوا اور مسجدوں میں چراغوں کو کثرت سے روشن کرنے کا حکم لکھ کر شائع کر دیا۔ یہ سب مضمون کتاب "**انسان العیون فی سیرۃ النبی المامون**" سے منقول ہے۔ شیخ عبد الغنی نابلسی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے کتاب "**کشف النور عن اصحاب القبور**" میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک بدعت حسنہ جو مقصود شرع کے موافق ہو، اس کا نام سنت رکھا جاتا ہے۔ پس قبورِ علما واولیا وصلحا پر قبوں کا بنانا اور چادروں کا چڑھانا اور عماموں وغیرہ اور کپڑوں کا رکھنا ایک امر جائز ہے جب کہ اس سے عام لوگوں کی نظروں میں قصد تعظیم ہو، تا کہ وہ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔ **اور ایسا ہی** قندیلوں اور شمعوں کا ولیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کے پاس روشن کرنا اولیا کی تعظیم وبزرگی کے باب سے ہے، پس اس میں مقصد حسن ہے۔اور شمعوں اور تیل کی نذر کہ اولیا کے لیے جلایا جائے، ان کی قبروں کے پاس ان کی تعظیم کی واسطے اور ان کی محبت کے خیال سے، یہ بھی **جائز ہے،** اس سے منع کرنا سزاوار نہیں ہیں۔ انتھیٰ ترجمتہ بتوضیح۔

اس عبارت طویل کے نقل کرنے سے فائدۂ جلیل منظور و مطلوب تھا، اس وجہ سے نقل ہوئی اور وہ یہ کہ جو امور ہم نے اوپر ذکر کیے، ان میں بعض کے جواز پر اس عبارت میں نصوص صریحہ وثبوت واضح مرقوم اور بعض کا صرف جواز ہی مفہوم، اگرچہ ان کے سوا اوروں کے ذکر واثبات کی حاجت نہ تھی مگر چونکہ وہ بھی امر مسئول عنہ کے قبیل سے تھے اور ان میں بھی وہابیہ منہ آتے اور شور غل مچاتے، سنیوں کو مَوْرِدِ اعتراض بناتے ہیں، لہٰذا ضمنِ مسئلہ میں ان کا بھی تذکرہ واثبات بطور اختصار آگیا۔

مسجدوں میں روشنی، ان میں جھاڑ فانوس وغیرہ کی تعلیق کے جائز ہونے کی تحقیق وتنقیح کامل ہوئی، قبروں پر گنبدوں کے بنانے، ان پر غلاف چادر چڑھانے، پردے لگانے کا جواز بھی فی الجملہ معلوم ہوگیا، فالحمد للہ تعالیٰ۔

التحریر المختار لرد المحتار لمولانا الشیخ عبد القادر مفتی الدیار المصریہ، جلد اول میں اسی آخر عبارت تفسیر روح البیان سے قبور علما و اولیا و صلحا پر قبوں کے بنانے، ان پر پردے ڈالنے، چادر چڑھانے، ان کے نزدیک قندیلوں، شمعوں، چراغوں کے روشن کرنے کے جواز پر استناد کیا گیا ہے [1]۔ عبارت بخیالِ طول منقول نہ ہوئی۔

اقول: روشنیِ قبور جو بہ نیت صحیح ہو اور اغراض قبیح سے دور، اگر بالفرض کلامِ علما میں اس کے جواز پر تصریح نہ بھی ہوتی اور یہ بھی مانتے ہیں کہ بعض کے کلام میں نہی بھی وارد ہوئی ہے، تاہم

---

(1) التحریر المختار لرد المحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب: "فی بناء القِباب علی قبور العلماء والأولیاء" جلد ۱، ص: ۱۲۳، زیر قول: "لا یکرہ البناء إذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات" مطبعہ امریہ، مصر، طبع اول، ۱۳۲۳ھ

اس کے جواز و حسن و خوبی کو اسی قدر کافی تھا کہ اس پر تعامل و توارثِ علمائے کرام و مشائخِ عظام و عوامِ اہلِ اسلام زمانۂ دراز سے چلا آتا ہے، اور بہت سے امور زمانۂ صحابہ و سلف میں ممنوع تھے اور بہت سے حادث و واقع بھی نہ ہوئے تھے؛ دورِ متاخرین میں جائز قرار دیئے گئے اور حادث ہو کر مستحسنات سے شمار کیے گئے ۔جیسے اجرتِ تعلیمِ کلامِ عظیم[۱] و تثویب بعد اذان[۲] وغیرہ۔ علی الخصوص یہی مسئلۂ دائرہ کہ بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے زمانۂ صحابہ میں قبروں کے نزدیک روشنی معمول نہ تھی، اس کے بعد مسلمانوں میں رائج اور دنیا بھر میں شائع ہوئی۔

شیخ محقق مولانا عبد الحق دہلوی نور اللہ مرقدہ الشریف "**شرح سفر السعادۃ**" میں اس عبارت متن کے متعلق (نہی[۳] **فرمود کہ بر سر قبرہا مساجد بنا کنند یا بر گورہا چراغ افروزند**) تحریر فرماتے ہیں: "**اصل سنت در زمان نبوت وخلفاے راشدین وصحابہ ہمیں بود۔ لیکن بعد ازاں تکلفات در مقابر پیدا شدہ خصوصاً در دیار ہندوستان، وبسا اعمال وافعال واوضاع کہ در زمانۂ سلف از مکروہات بودہ، در آخر زمان از مستحسنات گشتہ**[۴]"۔ انتہیٰ۔ ملتقطاً

---

[۱] قولہ: (اجرت تعلیم کلام عظیم) یہ اس کی مثال ہے جو زمانۂ سلف میں ممنوع تھا اور دور متاخرین میں جائز قرار دیا گیا۔

[۲] قولہ: (تثویب بعد اذان) یہ اس کی مثال ہے جو زمانۂ سلف میں حادث نہ ہوا تھا اور بعد کے دور میں حادث ہوا۔ تثویب کے آغاز کی تفصیل در مختار، باب الاذان میں مذکور ہے۔

[۳] ترجمہ: (حضور ﷺ نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے یا قبروں کے قریب چراغ جلانے سے نہی فرمائی) اصل سنّت تو یہی ہے جو حضور ﷺ اور خلفاے راشدین وصحابہ کے زمان برکت نشان میں تھا، لیکن اس کے بعد قبرستانوں میں تکلفات پیدا ہوئے خصوصاً ہندوستان میں، اور بہت سے امور اور طور طریقے جو زمانۂ سلف میں مکروہ گنے جاتے تھے، بعد کے دور میں مستحسن اور پسندیدہ سمجھے جانے لگے۔

[۴] شرح سفر السعادۃ، ص: ۲۷۲، مطبع اودھ اخبار، طبع سوم، ۱۹۰۳ء

فتاویٰ برجندی میں ہے: ”العرف أيضاً حجة بالنص، قال عليه السلام: ”ماراٰه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن[۱]“.

یعنی شرعی حجتوں سے عرف بھی ایک حجت ہے، نص سے ثابت ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جس چیز کو مسلمان اچھا دیکھیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

علامہ ابن عابدین **رد المحتار** میں ایک مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں: ”هذا ما صححه المتأخرون لتعامل المسلمين[۲]“.

یعنی یہ وہ ہے جس کو متاخرین نے صحیح رکھا تعامل اہل اسلام کے خیال سے۔

بستان فقیہ ابو اللیث میں ہے: ”فلو شارط لتعليم القراٰن، أرجو أن لا بأس به، لأن المسلمين توارثوا ذٰلك، فصار ذٰلك سبيل المؤمنين، وسبيل المومنين حق[۳]“.

---

(۱) قولہ: (قال علیہ السلام: ماراہ المسلمون حسنا الخ) در مختار میں ہے: ”والمعروف وقفه على ابن مسعود كماذكره ابن حجر“ اور شامی میں ہے: ”وكذا رواه أحمد في كتاب السنة من حديث أبي وائل عن ابن مسعود ۔۔۔ وهو موقوف حسن وكذا أخرجه البزّار والطيالسي والطبراني في ترجمة ابن مسعود۔“ (در مختار ورد المحتار: باب الإجارة الفاسدة، مطلب: ”في حديث دخوله الحمام“ جلد ۶، ص: ۵۲، دار الفکر، بیروت) نیز علّامہ شامی اپنے رسالہ ”نشر العَرْف“ میں فرماتے ہیں، ”قال العلائی: لم أجده مرفوعا في شئ من كتب الحديث أصلا ولا بسند ضعيف بعد طول البحث وكثرة الكشف والسؤال، وإنما هو من قول عبد الله بن مسعود رضي الله عنه موقوفا عليه“۔ مجموعۂ رسالہ ابن عابدین، جزوِ دوم، ص: ۱۱۵)

(۲) بستان العارفین (مخطوطہ) باب فضل تعلم القرآن وتعلیمہ، ص: ۱۴

(۳) در مختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في اللُبس، زیر مسئلہ ”لایکرہ فرقۃ لِوُضُوءٍ“ جلد ۶، ص: ۳۶۳، دار الفکر، بیروت، طبع دوم، ۱۴۱۲ھ

یعنی اگر تعلیم قرآن شریف کے لیے اجرت شرط کرلی تو میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کچھ خوف نہیں، اس لیے کہ مسلمانوں نے اس پر توارث کیا، ان میں یہ طریقہ جاری ہوتا چلا آیا، پس یہ سبیل المومنین ہے اور سبیل المومنین حق ہے۔

اسی **ردالمحتار** میں ہے: "قال في العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة على حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول يعني الأصل، وهو تثويب الفجر، وما رآه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن[1]".

یعنی **عنایہ** شرح ہدایہ میں کہا کہ متاخرین نے علاوہ مغرب کے تمام نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان تثویب کو نکالا اُس طور پر اور ان الفاظ کے ساتھ جو ان میں متعارف ہوئے، اصل کو باقی رکھتے ہوئے کہ وہ تثویب فجر کی ہے اور جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

ہر چہ گفتم راست گفتم بالیقین[2]
حق ہمین ست وہمین ست وہمیں

والله سبحانه وتعالىٰ أعلم، وعلمه أتم وأحكم، وصلى الله تعالىٰ على سيد العرب والعجم، وعلى آله وصحبه وبارك وسلم.

❁❁❁❁❁❁❁

---

(1) در مختار مع ردالمحتار، باب الأذان، جلد اول، ص:۳۸۹، دارالفکر، بیروت، طبع دوم، ۱۴۱۲ھ
(2) ترجمہ: میں نے جو کہا یقیناً سچ کہا ہے، حق یہی ہے؛ یہی ہے؛ یہی ہے۔

سوال ہفتم

عید یا عرس یا استسقا میں علم نکال کر عید گاہ تک یا میدان صلاۃ استسقا تک لے جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب سوال ہفتم

"فبشر عبادي الذين يستمعون القول، فيتبعون أحسنه، أولئك على هدى من ربهم، وأولئك هم المفلحون يوم القيامة، يضل من يشاء ويهدي من يشاء، وهو أعلم بأهل الهداية وأهل الغواية".

نشان لے جانا فی نفسہ جائز، اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔ ہاں! عوارض لاحقہ کے خیال سے ممنوع وناروا بلکہ احتراز ضروری واولیٰ، گجرات وکاٹھیاواڑ میں دیکھا گیا اور سنا گیا کہ لوگ مزامیر کے ساتھ عَلموں کو عید گاہ لے جاتے ہیں بلکہ بعض مقام میں ان پر بکرے، مینڈھے چڑھاتے اور ان کو ذبح کرکے کھاجاتے ہیں۔ اس میں باجا بجانے سے حرام کا ارتکاب، اس میں بھینٹ چڑھانے سے عوام کے عقائد کے فاسد ہو جانے کا قوی خیال، یہ اس حرام سے بدتر خرابی و نکال، پس ان کے لے جانے میں سخت وبال۔ ایسی صورتوں میں شریعت مانع آتی، ان کا روکنا واجب ٹھہراتی ہے۔ مسلمانوں پر حتما واجب کہ ایسی حرکتِ قبیح وفعلِ شنیع سے باز آئیں اور اس کے دور کرنے میں اپنی طاقت بھر کوشش فرمائیں اور اجرِ بے حساب اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے پائیں۔

مجرد علَموں کا لے جانا ایک **فعل** جائز و مباح ہے، اس کے نہ کرنے میں کوئی گناہ و عذاب نہیں اور ایسی صورت میں اس کے ارتکاب میں سخت نکال وعقاب۔اس کا ثبوتِ **جلیل** و **تحقیقِ** بے **مثیل** فتاوائے مجدد ہذا الزماں، محقق دوراں، حکیم الامۃ، کاشف الغمۃ حضرت فاضل بریلوی مُدَّظِلُّہُ العَالی میں موجود،اسی کو پیش کرنا چاہتا،اس کے سامنے اور ثبوت کی حاجت نہیں جانتا ہوں۔

وھو ھذا:

مسئلہ: بعض بلاد میں بروز عیدین یا استسقا میں لوگ مل کر عَلَم شہر میں قصائدِ نعتِ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پڑھتے ہوئے عید گاہ تک لے جاتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: جب کہ اس کے ساتھ کوئی منکر شرعی نہ ہو اور جمعِ مسلمین وعلامتِ جماعتِ اہلِ دین کے سوا اور کوئی غرضِ بے جا مرعی نہ ہو، تو عَلَم مذکور کا عید گاہ تک لے جانا بلا شبہہ جائز و مباح ہے،جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلا کوئی دلیل نہیں اور یہ اس کے جواز کو بس ہے۔

علامہ عبد الغنی نابلسی پھر علامہ شامی **شرح تنویر** میں فرماتے ہیں:"ليس الاحتياط في الافتراء على الله تعالى بإثبات الحرمة والكراهة الذين لا بد لهما من دليل، بل في القول بالإباحة التي هي الأصل[1] الخ".

علاوہ ازیں، **صحیح بخاری شریف** میں ایک باب وضع کیا"باب العلم بالمصلّى"اور اس میں **حدیث روایت کی:**"عن عبد الرحمٰن بن عابس، قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما قيل له: أشهدت

---

(1) در مختار ورد المحتار، کتاب الأشربہ،ج٦،ص:٤٥٩،دار الفکر، بیروت، طبع دوم، ١٤١٢ھ

مع النبيﷺ؟ قال: نعم، ولولا مكاني من الصغر؛ ماشهدته حتى أتى العَلَم الذي عند دار كثير بن الصلت، فصلى ثم خطب[۱]".

یعنی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا، آپ عید میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اس قرب و منزلت کے سبب جو بارگاہ رسالت میں مجھے حاصل ہے، ورنہ بچپن کے باعث حاضر نہ ہوتا۔ حضور عید گاہ تشریف لے گئے یہاں تک کہ اس عَلَم کے پاس پہنچے جو کثیر بن الصلت کے مکان کے قریب تھا اور نماز پڑھی پھر خطبہ فرمایا۔

علما تجویز فرماتے ہیں کہ یہاں عَلَم بمعنی نشان ہو۔

مجمع البحار میں ہے: "منه "أتى العَلَم الذي عند دار": بفتح عين ولام: الراية[۲]".

عید گاہ زمانۂ اقدس میں کفِ دستِ میدان تھی۔ علما فرماتے ہیں کثیر بن الصلت کا مکان بعد کو بنا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے موضع عَلَم کا پتا دینے کو اس کا نام لیا۔

ارشاد الساری میں ہے: "الدار المذكورة بعد العهد النبوي، وإنما عرف المصلى بها لشهرتها[۳]"

---

(۱) صحیح البخاری، أبواب العیدین، باب العَلَم بالمصلی، حدیث: ۹۷۷، جلد ۲، ص: ۲۱، دار طرق النجاۃ، طبع اول، ۱۴۲۲ھ

(۲) مجمع بحار الأنوار، [علم] جلد ۳، ص: ۶۶۰، دائرۃ المعارف، حیدر آباد، طبع سوم، ۱۳۸۷ھ

(۳) ارشاد الساری، باب العَلَم بالمصلی، جلد ۲، ص: ۲۲۱، المطبعۃ الامیریۃ، طبع ہفتم، ۱۳۲۳ھ

عَلَم بمعنی نشان کے لیے وہاں یہی طریقہ معقول کہ روز عید لے جاتے پھر واپس لاتے ہوں۔

اس تقدیر پر یہ صورتِ عیدین کا خاص جزئیہ ہے۔"وتفصيل المسألة فی فتاوانا، واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه أحكم".

یہ نفس عَلَم کا حکم ہے۔ہاں! جہاں اس سے کوئی محذور شرعی پیدا ہوتا ہو **مثلاً:** جن بلاد میں محرم کے عَلَم رائج ہیں، عوام اسے ان سے سمجھیں یا اس سے ان کے جواز پر استدلال کریں اور فرق سمجھانے کی ضرورت پڑے، وہاں اس سے احتراز ہی کیا جائے کہ کوئی امر ضروری نہیں اور احتمالِ فتنہ وفسادِ عقیدہ ہے، نہ ہر ایک کو سمجھا سکیں گے، نہ ہر ایک سمجھانے سے سمجھے گا۔ تو ایسی بات کرنی کیا ضرورت؟ حدیث میں ارشاد ہوا:"إياك وما يعتذر منه". واللہ تعالیٰ أعلم"۔انتہیٰ۔

سوال ہشتم

یہ فتویٰ پیش کیا جاتا ہے آیا صحیح ہے یا غلط؟ اور اس پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں؟ اگر اس فتویٰ کے غلط ٹھہرنے کی حالت میں جو اس کے مطابق عمل در آمد ہو گیا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ اور مفتی صاحب و گواہ و وکیل وغیرہ کیسے ہیں؟ اور اس جرم شرعی سے کس طرح پاک ہو سکتے ہیں؟ مفصل حال تحریر فرمایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

جواب سوال ہشتم

یہ فتویٰ محض عاطل، بالکل مردود و باطل، راہ صدق و صواب سے کوسوں دور، جہالات شدیدہ سے معمور، اس کا مفتی سرمایۂ علمی سے تہی دست، نشۂ جہالت سے مست، عربی تو عربی اردو تک سے بے خبر، نو آموز طالب علم بھی اس سے بہتر، نہ لکھنا جانے نہ پڑھنا، اس طریق سے محض ناآشنا۔

شروع میں لکھا "**وقت ضرورت آئمۂ امام ابو حنیفہ**" یہ ائمۂ امام کی تو ایک ہی ہوئی، **ائمہ** امام کے وقت میں مذہب مالکی کہاں تھا کہ امام کے ائمہ اس کے اتباع کی تجویز کرتے؟ امام کے ائمہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود وغیرہ صحابۂ کرام ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اگر مضاف الیہ کو مقدم اور مضاف کو مؤخر کیا تو ان الفاظ مخصوص میں سب سے جدا راستہ لیا، پھر بلا ضرورت اگر رعایت سجع بھی ہوتی تاہم آپ کی اس جدت کی کچھ قدر کی جاتی، اگر چہ ان الفاظ خاص میں کسی نے تقدیم مضاف الیہ و تاخیر مضاف نہ کی، پھر آپ نے ہمزۂ علامت اضافت بنا کر اس کا راستہ بھی بند کر دیا۔ طرہ یہ کہ ہمزۂ اول

پر علامت مد قائم کی، صرف اسی ایک لفظ میں **۲؍جہالتیں** سرزد ہوئیں، یہ تو ابتدا کی حالت تھی، اب انتہا کی حالت سنو۔ آخر فتویٰ میں لکھا "**بتاریخ:۱۱؍ربی الثانی**" یہ ربی الثانی کس جانور کا نام ہے؟ مہینے کا نام بہت سے بے پڑھے لکھے جاہل تک جانتے ہیں کہ "ربیع الآخر" ہے، یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ آپ کے کئی رب ہیں اور یہ فتویٰ آپ نے اپنے دوسرے رب کے مقرر کردہ مہینے میں جس کو اس نے ماہ سے نام زد کیا، تحریر فرمایا۔ جیسا کہ آپ نے اپنے قلم سے لکھ مارا، جس کے معنی یہ ہیں کہ تاریخ:۱۱؍ماہ کی جو میرے دوسرے رب کا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ فتویٰ بھی آپ نے اپنے دوسرے رب کے دین کے موافق تحریر کیا ہے۔ اگرچہ یہ آپ اپنے ہی منہ سے کہتے ہیں مگر ہم تو حسن ظن ہی سے کام لیں گے اور آپ کی بے سمجھی اور بے علمی پر محمول کر کے اس ایک نام میں **۲؍جہالتیں گنیں گے۔** دو وہ اور دو یہ مل کر **۴؍جہالتیں** صرف اول وآخر کے ایک لفظ اور ایک نام میں واقع ہوئیں پھر سارے فتوے کی جہالتوں کا کیا ذکر؟

افسوس کہ چند سطری فتوے میں ایسی ایسی موٹی جہالتیں جلوہ گر اور مفتی صاحب ان سے بالکل بے خبر!!! اس کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں کہ از اول تا آخر یا از سر تا پا بالکل غلط، خود غلط، مضمون غلط، املا غلط، انشا غلط۔

ع جو عالِم ہو تو ایسا ہو، جو فاضل ہو تو ایسا ہو

اس بے علمی پر فتویٰ نویسی کی ہمت و جرأت واقعی قابلِ داد و تحسین، ولائقِ صد آفرین ہے، شاباش شاباش، مرحبا صد مرحبا۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اغلاط تو سوال میں بھی موجود، مگر ان کی قلعی کھولنا بے سود و خلاف مقصود، لہذا ان سے قطع نظر کر کے جواب کے ان اغلاط کی طرف توجہ کی جاتی ہے جو مضمون کے متعلق ہیں۔ لفظی جہالتوں کا صرف نمونہ بتادیا گیا، اسی پر ساری فتوے کو قیاس کرنا چاہیے۔

ع قیاس کن ز گلستانِ او بہارش را

طبیعت کا مقتضا تو یہ کہ اس فتوے کے اغلاط فاحشہ سے چشم پوشی کی جائے، مصلحت شرعی کا تقاضا یہ کہ کوئی غلطی نہ چھوڑی جائے تاکہ عوام مفتی صاحب کی لیاقت پر آگاہ ہوجائیں اور ان کی حالت پر اطلاع پائیں، مسئلہ پوچھنے سے باز آئیں، ان کے فتوے پر ہرگز اعتبار نہ لائیں، لہذا مصلحت شرعی کو خواہشِ طبعی پر مقدم رکھتا اور ان کی تمام مضمونی جہالتوں کی قلعی کھولتا ہوں۔

جہالت (۵): حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہاں تصریح کی ہے کہ زن مفقود الخبر کے بارے میں ہم مذہب مالکی اختیار کرتے اور چار برس کے بعد اس کو حکم نکاح دیتے ہیں، یہ امام صاحب پر صریح بہتان اور مُتَضَمِّنِ کسر شان امام عالی شان ہے کہ اس میں مالکی مذہب پر امام صاحب کا تقلید کرنا لازم آتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اس بہتان کی سند ندارد، اس کو اپنے قول

"درست ہے" پر ختم کر دیا اور اس قول کے منقول عنہ کا پتا نہ دیا، آخر میں اپنے مجتہد و امام مولوی عبد الحی صاحب کے فتاویٰ کا نام لے کر اکتفا کیا، اس اتہام کا بھی ماخذ اسی کو قرار دیا۔ **"جب خوف وقوع حرام"** الخ سے ایک نئی صورت قرار دی، اس کی سند بے شک تحریر کی۔

جہالت(٦): قولہ (اگر عورت مفقود الخبر الی قولہ صحیح ہو گا) آپ نے جو مذہب مالکی اختیار کیا جس کو اوپر ظاہر فرما چکے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ مذہب مالکی یہ کہاں ہے؟ ان کا مذہب تو یہ ہے کہ قاضیِ شریعت کی طرف رجوع لائے، وہ اب[1] سے چار برس کی مہلت دے کر مدت گذر جانے کے بعد جدائی کر دے، تاہم عورت کو نکاح کرنا حرام، جب تک عدت وفات یعنی چار مہینے دس دن نہ گزارے۔

ہدایہ میں ہے: "قال مالك رحمه الله تعالیٰ: إذا مضى أربع سنين؛ يفرق القاضي بينه وبين امرأته، وتعتدعدة الوفاة ثم تزوج من شاءت".

یعنی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب چار سال گزر جائیں تو قاضی مرد و عورت کے درمیان جدائی کر دے، اس کے بعد عورت عدتِ وفات کو پورا کر کے جس کے ساتھ چاہے نکاح کر لے۔ انتہیٰ۔

مفتی صاحب کی یا تو مالکی مذہب سے بے خبری یا خاص اجتہادِ ذاتی یا امام مالک کے مذہب پر تہمت لگانا ہے، یہ چاروں اماموں کے نزدیک از سر تا پا غلط۔ سنو! وہی اس کا خاوند، اسی کے اس

---

[1] قبل رجوع بقاضی اگرچہ بیس برس گزر گئے ہوں، ان کا اعتبار نہیں، اس کی تحقیق آگے آئے گی۔ ١٢ منہ

عورت پر تمام حقوق، اور وہ یقیناً مردِ اول ہی کی زوجہ ہے، اس کا نکاح ہرگز فسخ نہ سمجھا جائے گا اور نکاح دوسرے مرد کا ہرگز صحیح نہ ہوگا اور جتنے روز وہ عورت دوسرے مرد کے تحتِ تصرف رہی ہوگی، اتنے روز دونوں مرتکب حرام ٹھہرے، چاروں اماموں سے اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں۔ ہاں! اگر مفتی صاحب یہ تحریر فرماتے کہ مفقود کی عورت کا نکاح بعدِ رجوع وتفریقِ قاضیِ شریعت جو چار سال کے بعد وقوع میں آئی، پھر اس پر بھی چار مہینے دس روز عدت کے اور گزر چکے، پھر کسی نے اپنے ساتھ نکاح کر لیا (**الی آخرہ**)، تو یہ سارا بیان موافقِ مذہبِ امام مالک صحیح ہوتا، مگر اس کے واسطے کچھ فہم درکار اور وہ معدوم ومفقود، یا اس قدر آسانی میں کوئی غرض دنیوی ملحوظ ومقصود، یا خواہش نفسانی نے غلبہ کیا جو یہ فتویٰ ٹھونک دیا۔

گر ہمیں مکتب ست واین ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

جہالت (۷): اور نکاح خواں سے آخر فتویٰ تک بھی سب غلط، نکاح پڑھانے والا اور وکیل وشاہدین اور خود مفتی صاحب، سب کے سب نجاست جرم میں آلودہ وناپاک ہیں، سب پر عند الشرع توبہ واجب۔

اب ہم بتفصیلِ تمام تحقیق مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتے اور مفتی صاحب کے فتویٰ کی پھر دھجیاں اڑاتے اور ان کو از سرِ نو یہ مسئلہ سمجھاتے ہیں۔

فاقولوبالله التوفيق، وهو خير رفيق۔**وقایہ میں ہے:** ”وميت في حق غيره، فلا يرث من غيره إلى تسعين سنة[1]“.اس کے تحت میں **شرح وقایہ میں ہے:**”اختلف فی المدة، فقيل: الأرفق أن تقدر بتسعين سنة، وظاهر الرواية أن تقدر بموت الأ قرآن[2]“الخ.

کنزالدقائق میں ہے:”وحكم بموته بعد تسعين سنة[3]“اس کے متعلق **عینی** شرح کنز الدقائق[4]اور کتاب **فتح اللہ المعین میں ہے:**”واختلف الأقوال في تعيين المدة، فأبو يوسف قدره بمأة سنة، وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه قدره بمأة وعشرين سنة، وفي ظاهر الرواية مقدر بموت الأقران من أهل بلده، والمختار أنه يفوض إلى رأي الإمام، لأنه يختلف باختلاف البلاد والطبائع، وقال بعضهم: هو مفوض إلى رأي القاضي، فأي وقت رأى المصلحة حكم بموته، وقال بعضهم: التقدير بسبعين أحسن لخبر:”أعمار[5] أمتي مابين الستين إلى السبعين“ وقال المتأخرون من مشائخنا: إنها ستون سنة رفقا بالناس ودفعا للحرج عنهم[6]“.

---

[1] شرح وقایہ مع حاشیۃ عمدۃ الرعایۃ، بیان المفقود مع احکامہ، جلد ۲، ص:۳۹۶، مطبوعہ: مجلس البرکات ۱۳۵۹ھ

[2] شرح وقایہ مع حاشیۃ عمدۃ الرعایۃ، بیان المفقود مع احکامہ، جلد ۲، ص:۳۹۶/۳۹۷، مطبوعہ: مجلس البرکات ۱۳۵۹ھ

[3] کنزالدقائق، کتاب المفقود، ص:۳۹۶، مطبوعہ: دارالبشائر ۱۴۳۳ھ

[4] رمز الحقائق فی شرح کنزالدقائق، بیان احکام (المفقود) ص:۳۳۷، سن اشاعت:۱۴۸۵ھ

[5] أي أكثر أعمار أمتي، كما فی رواية. ۱۲ منه

[6] فتح اللہ المعین، کتاب المفقود، ص۴۸۶، جز:۲، مطبوعہ: جمعیۃ المعارف المصریۃ فی المطبعۃ الخاصۃ

در مختار میں ہے:”(ولا يستحق ما أوصى له إذا مات الموصي بل يوقف قسطه إلى موت أقرانه في بلده على المذهب)لأنه الغالب، واختار الزيلعي تفويضه للإمام[1]“. اس کے **حاشیہ ردالمحتار** میں ہے:**قوله:**”(**إلى موت أقرانه**) هذا ليس خاصا بالوصية، بل هو حكمه العام في جميع أحكامه من قسمة ميراثه وبينونة زوجته وغير ذلك. **قوله**: (**على المذهب**) وقيل: يقدر بتسعين سنة بتقديم التاء من حين ولادته، واختاره فى الكنز، وهو الأرفق،هداية. وعليه الفتوى، ذخيره. وقيل: بمأة، وقيل: بمأة وعشرين، واختار المتأخرون ستين سنة، واختار ابن الهمام سبعين لقوله عليه الصلاة والسلام:”أعمار أمتي مابين الستين إلى السبعين“ فكانت المنتهى غالبا، وذكر في شرح الوهبانية أنه حكاه في الينابيع عن بعضهم. قال فى البحر: والعجب، كيف يختارون خلاف ظاهر الرواية مع أنه واجب الاتباع على مقلد أبي حنيفة. وأجاب في النهر بأن التفحص عن موت الأقران غير ممكن أو فيه حرج، فعن هذا اختاروا تقديره بالسن.انتهى. **قلت**:وقد يقال: لا مخالفة، بل هو تفسير لظاهرالرواية، وهو موت الأقران، لكن اختلفوا فمنهم من اعتبر أطول مايعيش إليه الأقران غالبا، ثم اختلفوا فيه، هل هو تسعون أومأة أو مأة وعشرون، ومنهم وهم المتأخرون، اعتبروا الغالب من الأعمار أي أكثر ما يعيش إليه الأقران غالبا لا أطوله، فقدَّروه بستين لأن من يعيش فوقها نادر، والحكم للغالب، وقدره ابن الهمام بسبعين للحديث، لأنها نهاية هذا الغالب، ويشير إلى

---

[1] در مختار مع ردالمحتار، کتاب المفقود، جلد:۴،ص:۳۶۶، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت ۱۴۱۲ھ

هذاالجواب قوله في الفتح بعد حكاية الأقوال:"والحاصل أن الاختلاف ماجاء إلامن اختلاف الرأي في أن الغالب هذا في الطول أو مطلقا".اھ.(۱)

ہدایہ میں ہے:"وإذا حكم بموته؛ اعتدت امرأته عدة الوفاة من ذلك الوقت(۲)" الخ.

ان سب عبارتوں کا حاصل وخلاصہ ترجمہ بلالحاظ تقدم وتاخر مع توضیح یہ ہے:

ہمارے مذہب میں حکم موت مفقود میں مختلف روایتیں آئیں، امام صاحب سے ایک روایت ایک سو بیس (۱۲۰) برس کی ہے جس کو امام حسن نے ان سے روایت کیا، اور دوسری ایک سو (۱۰۰) برس کی ہے جس کو امام ابویوسف نے ان سے روایت کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ امام و قاضیِ شریعت کی رائے پر سونپ دیا جائے، اس لیے کہ بعض ملکوں میں عمریں زیادہ ہوتی ہیں اور بعض میں کم اور طبیعتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، پس امام و قاضی موقع و مصلحت دیکھ کر مفقود کی موت کا حکم کر دیں گے، صاحبِ کافی وکنز وقایہ وذخیرہ وغیرہ نے نوے (۹۰) برس بیان کیے، اور بعضوں نے ستر (۷۰) فرمائے، اور مشائخِ متاخرین نے ساٹھ (۶۰) برس کہے، ساٹھ سے کم کی کوئی روایت نہیں، اور ظاہرِ روایت میں یہ ہے کہ جب مفقود کے شہر میں اس کے ہم عمر مر جائیں، اس وقت اس کی موت کا حکم کیا جائے۔

---

(۱) حاشیۃ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار، جلد:۴، ص:۲۹۶/۲۹۷، مطبوعہ: مطبعۃ مصطفی البابي الحلبی مصر، ۱۳۸۶ھ، الطبعۃ الثانیۃ۔

(۲) ہدایۃ، کتاب المفقود، جلد:۱، ص:۶۰۲، مطبوعہ: مجلس برکات

یہاں پر ایک شبہہ پیدا ہوتا تھا کہ ظاہر الروایۃ وظاہر المذہب کا خلاف کسی کو سزاوار نہیں، اس کا اتباع مقلدینِ امام صاحب پر واجب، پھر اس کا خلاف کیوں کیا گیا؟

اس کا جواب صاحبِ **نہر** نے یہ دیا کہ مفقود کے ہم جولی اور ہم عمر لوگوں کی موت کی جستجو وتفحّص غیر ممکن یا اس میں حرج عظیم تھا، اس لیے اس کے سِن کے اندازے کو دخل دیا گیا یعنی فقہاے مجتہدین ارباب ترجیح نے لوگوں پر رحمت وشفقت اور ان کے دفعِ حرج کے خیال سے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق اندازہ وتفصیل فرمائی۔

صاحبِ **رد المحتار** نے یہ جواب دیا کہ فقہا کے اندازے اور ظاہر الروایۃ میں سرے سے مخالفت ہی نہیں، بلکہ اسی ظاہر روایت کی فقہانے تفسیر فرمائی اور وہ "موتِ اقرانِ مفقود" ہے، لیکن اس میں اختلاف ہوا۔ **(۱)** بعضوں نے اعتبار کیا اس مدت کے طویل تر کو جس پر غالباً اس کے اقران وہم عمر زندہ رہتے ہوں، پھر اس میں اختلاف کیا کہ وہ مدت نوے سال ہیں یا سو یا ایک سو بیس۔ **(۲)** ان میں سے بعض نے جو فقہاے متاخرین سے ہیں، اس مدت کے اکثر کا اعتبار کیا جس پر اس کے اقران غالباً زندہ رہتے ہوں، نہ طویل تر کا اعتبار فرمایا، پس ساٹھ سال کا اندازہ کیا، اس لیے کہ جو اس کے ہم عمروں سے ساٹھ کے اوپر زندہ رہا، وہ نادرات سے ہے اور حکم اکثر کے لیے ہے، اور حق یہی ہے کہ ظاہر الروایۃ میں ایک نوع کا اجمال تھا، مجتہدینِ اربابِ ترجیح نے اس کی تفصیل واندازہ کر دیا۔ علامہ ابن الہمام جو محققینِ حنفیہ کے سر تاج اور اربابِ ترجیح سے ہیں، انھوں نے ستر (۷۰) برس کا اندازہ کیا اور یہ اس حدیث شریف کی تائید پر کہ حضور پر نور سید عالم ﷺ نے فرمایا: "میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر برس کے درمیان ہیں" اس لیے کہ یہ ستر سال

اکثر مدت کی نہایت ہیں، اسی جواب کی طرف فتح القدیر میں بعد حکایتِ اقوال کے یہ قول امام ابن الہمام کا اشارہ کرتا ہے کہ "حاصل یہ ہے، اختلاف نہیں آیا مگر اختلاف رائے سے اس بات میں کہ غالب طول میں ہے یا مطلقاً"۔ اور جب اس کی موت کا حکم کیا جائے گا تو اس وقت سے اس کی عورت عدت وفات کرے گی۔ انتہیٰ۔

مفتی صاحب کے فتوے کا سارا دار و مدار اور پورا زور و شور **قہستانی** صاحب جامع الرموز کے اجتہاد پر ہے، جو چاہا دَھر گھسیٹا، یہ نہ جانا کہ وہ کس پایے کے شخص ہیں اور ان کا علما کے نزدیک کہاں تک اعتبار ہے۔ مجھ سے سنو! وہ چنداں معتبر نہیں، مجتہدین کے کسی طبقے میں نہیں، رطب و یابس کو جمع کرنے والے، تحقیق و تنقیح کو بالائے طاق دھرنے والے ہیں۔ چنانچہ ان کی کتاب "جامع الرموز" میں بہت سے مسائل خلافِ تحقیق؛ غیر معمول بہا موجود ہیں۔

شم العوارض فی ذم الروافض میں مولانا علی قاری مکی علیہ الرحمہ افادہ فرماتے ہیں:"لقد صدق المولیٰ عصام الدين في حق القهستاني في أنه لم يكن من تلامذة شيخ الإسلام الهروي؛ لا من أعاليهم ولا من أدانيهم، وإنما كان دلال الكتب في زمانه، ولا يعرف الفقه وغيره بين أقرانه، ويؤيده أنه يجمع في شرحه هذا بين الغث والسمين، والصحيح والضعيف من غير تحقيق وتدقيق، فهو كحاطب الليل الجامع بين الرطب واليابس في الليل[1]" الخ.

---

[1] مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ فی شرح الوقایۃ، جز: اول، ۱۳۱۴ھ، مطبوعہ: مجلس برکات

یعنی بے شک بہت سچ فرمایا مولی عصام الدین علیہ الرحمہ نے قہستانی کے حق میں کہ وہ شیخ الاسلام ہروی کے شاگردوں سے نہ اعلی میں سے تھے، نہ ادنیٰ میں سے، ہاں! ان کے زمانے میں کتابوں کے دلال تھے۔ اپنے اقران وامثال میں علم فقہ وغیرہ میں ممتاز نہ تھے، اس کی تائید ان کی شرح سے ہوتی ہے جو انہوں نے مختصر وقایہ پر لکھی، جس کا نام جامع الرموز ہے کہ اس میں انہوں نے لاغر وفربہ، صحیح وضعیف سبھی کچھ جمع کر دیا، تحقیق وباریکیِ نظر سے کام نہ لیا، وہ رات کے لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہیں کہ رات میں تر وخشک کے جامع ہوے۔ انتہیٰ۔

مفتی صاحب! اب تو صاحب جامع الرموز کا حال معلوم ہو گیا اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ میں آگیا ہو گا کہ جامع الرموز میں ہر طرح کے مسئلے بھرے ہیں۔ بعض موافق تحقیق محققین اور بعض مخالفِ تحقیق، بعض لائق عمل اور بعض قابل الترک۔ پس مسئلہ مفقود میں جو انہوں نے مذہب مالکی پسند کیا، یہ بھی اسی شق آخر کے قبیل سے ہے یعنی قابل ترک اس لیے کہ:

اولا: یہ کسی کو جائز نہیں کہ ہمارے امام صاحب سے صریح روایت ہوتے ہوئے مذہب مالکی وغیرہ کو لے اور ظاہر المذاہب وظاہر الروایۃ کے خلاف عمل کرے، آخر نہ دیکھا کہ صاحب بحر الرائق کو ظاہر الروایۃ کے اجمال کی تفصیل واندازہ پر، جو انہوں نے اپنے خیال میں مخالفتِ صریح امام صاحب سمجھی تھی، مقلدین امام صاحب پر کیسا کچھ تعجب آیا اور صاف فرمایا کہ ان پر ظاہر الروایۃ کی پیروی واجب ہے۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صاحب بحر کو تعجب کس پر آیا؟ فقہاے مجتہدین اربابِ ترجیح پر۔ پھر ان فقہا کے مقابلے میں صاحب جامع الرموز کا مرتبہ ظاہر ہے۔ انہوں نے

تفصیل واندازہ کیا معنی؛ سرے سے مخالفت ظاہر الروایۃ وظاہر المذاہب فرمائی اور اس میں امام صاحب کی پیروی ہی چھوڑی، تو یہ صاحب بحر کے نزدیک کیسے کچھ موردِ الزام ٹھہرے۔

ثانیا: تنویر الابصار متن در مختار میں مذہب مالکی اختیار کرنے اور چار برس کے بعد حکمِ موتِ مفقود دے کر زوج وزوجہ کے درمیان تفریق کرنے کی صریح ممانعت فرمائی کہ: "ولا يفرق بينه وبينها ولو بعد مُضِيّ أربع سنين"، یعنی زوج وزوجہ کے درمیان جدائی نہ کرائی جائے اگرچہ چار برس گزر جانے کے بعد ہو۔

صاحب در مختار نے اس قول کی شرح میں ڈنکے کی چوٹ پکار کر کہہ دیا کہ "خلافا لمالك" اس میں امام مالک کا خلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ چار برس گزر جانے کے بعد تفریق کرادی جاے، تو اس سے ہمیں کیا؟ ہم پر تو اپنے امام کی پیروی واجب ہے۔

دیکھا کہ صاحب بحر الرائق وصاحب تنویر الابصار وصاحب در مختار نے صاحب جامع الرموز کا کیسا رد کیا اور ان کے اس قول کو کہ "لو أفتى به في موضع الضرورة؛ لاباس به، على ما أظن" قابل الترک کیا بلکہ واجب الترک ٹھہرایا۔

ثالثا: اس زمانے میں کہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھو، آزادی کے کرشمے دکھائی دیتے، بے قیدی کے زہریلے جھونکے چل رہے ہیں، ہر ایک بجاے خود مجتہد مطلق بنا بیٹھا ہے، مذہبی قید سے چھوٹا پھر رہا ہے، جس مذہب کو چاہا اختیار کیا، جس کو چاہا چھوڑ دیا، اس نازک وقت میں ایسے ایسے مواقع پر اگر دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دی جاے گی، تو بے قیدی خوب ترقی پائے گی، آزاد

منشوں کو ایک طرح کی دستاویز ہاتھ آئے گی۔ اس کا انسداد لازم بلکہ اس ملک پُر فساد میں واجب اور اسی امر کی ضرورت کہ حتی الوسع دوسرے مذہب پر فتویٰ نہ دیا جائے۔

رابعا: جمہور ائمہ کرام اس کے مخالف، سب سے پہلے چار سال کی مدت کے قائل حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، پھر انہوں نے حضرت مولی المسلمین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرف رجوع فرمائی، مالکیہ نے جو بتقلید حضرت عمر چار سال کو اختیار کیا، اس کا ازالہ ہو گیا۔ امام شافعی بھی پہلے چار برس کے قائل تھے، پھر ان سے بھی رجوع ثابت ہوئی۔ امام احمد سے بھی ایک روایت ہمارے ہی موافق آئی، ایسی صورت میں قول قہستانی کیوں کر قابلِ قبول ولائقِ عمل ہو سکتا ہے؟" فتدبر وعليك الإنصاف "۔

ان امورِ مذکورہ کی کمالِ تنقیح وتوضیح واطمینان وتسلی بخش تحقیق وتصریح مع شیئِ زائد "العطایا[1] النبویة فی الفتاوی الرضویة" کی جلد خامس میں عربی واُردو میں دوجگہ موجود[۲]، اردو سے بڑھ کر عربی فتویٰ میں دادِ تحقیق وتفصیل دی۔ احقر بخیال عوام اردو ہی فتوے کی بقدر ضرورت وموافقِ حاجت نقل کرتا ہے، **وھو ھذا:**

"زوجۂ مفقود کے لیے چار برس کی مہلت کہ حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے، جمہور ائمۂ کرام اس کے خلاف پر ہیں، **اُدھر** قرآن عظیم صاف صاف ارشاد فرمارہا ہے: "وَالْمُحْصَنٰتُ

---

[1] یہ فتاویٰ مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجت قاہرہ، حکیم امت، اعلیٰ حضرت مولانا وملجانا وسیدنا مولوی مفتی قاری حاجی احمد رضا خان صاحب بریلوی۔ جزاه الله تعالیٰ عنا وعن سائر أهل السنة والجماعة وأبقى فيوضه وبركاته إلى يوم القيامة۔ کا بارہ جلدوں میں ہے، جس کی ہر جلد ایک بہت بڑا دفتر ہے۔ اس میں ہر قسم کے مسائل اعتقادیات، عبادات، معاملات وغیرہ کے موجود ہیں۔ مفتیوں کو تمام کتب فقہیہ کے مطالعے سے مستغنی کرنے والا، ہر امر کا حکم بتفصیل موافق کتاب وسنت بتانے والا، تحقیقِ واقعات وتنقیحِ مسائل میں اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ قادر مطلق اس کے طبع کا جلد سامان فرمائے اور تمام جہان میں اس کے فیوضِ جلیلہ اور فوائدِ جمیلہ پہنچائے۔ ایسا جامع فتاویٰ، دین حق کا چشمہ، مذہب اہل سنت کا خزانہ نہ آج تک کسی نے دیکھا، نہ سنا۔ ۱۲ منہ

اقول: حضرت مفتی محمود جان علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ کتاب "۱۳۳۰" میں تصنیف فرمائی اور "۱۳۳۱" میں طباعت کے مراحل سے گزر کر منظر عام پر آئی، یعنی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ ہی میں وصال مبارک سے نو سال پیشتر یہ کتاب چھپ چکی تھی، اس وقت "فتاویٰ رضویہ" کی طباعت واشاعت نہ ہوئی تھی، اس لیے حضرت مفتی محمود جان علیہ الرحمۃ نے یہ دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت کی دعا قبول فرمائی اور حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں "سنی دارالاشاعت" مبارک پور کے زیر انتظام یہ عظیم انسائیکلوپیڈیا پہلی بار چھپ کر منظر عام پر آیا اور تب سے اب تک مختلف اداروں نے اس پر مختلف جہت سے تحقیقی کام کیا اور ہند وپاک سے اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۲ (مفتی مزمل)

[۲] قولہ: (جلد خاص میں دو جگہ موجود) موجودہ بارہ جلدوں میں "کتاب المفقود" کی ترتیب جلد ششم میں رکھی گئی ہے۔ ۱۲ (مفتی مزمل)

مِنَ النِّسَآءِ"، تم پر حرام ہیں وہ عورتیں جو دوسرے کے نکاح میں ہیں، اس عورت کا نکاحِ مفقود میں ہونا تو یقیناً معلوم اور چار برس کے بعد اس کی موت مشکوک و موہوم، کیا آدمی اتنی مدت میں خواہ مخواہ مر ہی جاتا ہے یا اس کی مرگ پر ظن غلبہ کرتا ہے؟ یہاں تک کہ خود علمائے مالکیہ رحمہم اللہ اقرار فرماتے ہیں کہ اس چار سال کی تقدیر پر سوا تقلید امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ ہرگز نظر فقہی اس کی مساعد۔ كما نقل العلامة الزرقاني في **شرح المؤطا** عن الكافي: "انها مسألة قلدنا فيها عُمَرَ، وليست مسألة نظر[1]"، اور تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا، ولہذا خود ائمۂ مالکیہ دربارۂ مال اس تقدیر چار سال کے قائل نہ ہوئے، حالانکہ یہ نہایت مستبعد ہے کہ آدمی مہلت چار سالہ کے بعد حق زوجہ میں مردہ ٹھہر کر عورت کو عدتِ وفات و نکاح کی اجازت ہو اور حق مال میں مردہ نہ ٹھہر کر مال ورثہ پر تقسیم نہ ہو۔

فاضل ابراہیم **شرح انوار** اَرْدبیلی میں لکھتے ہیں: "نقض حكمه لمخالفته للقياس الجلي، إذ لا يجوز أن يكون حيا في ماله وميتا في حق زوجته[2]".

تو نص قطعی و قضیۂ یقین کے خلاف ایک موہوم بات پر کہ حقِ مال میں بالاتفاق مقبول نہیں، کیوں کر زنِ عمرو میں آسکتی ہے؟ **اِدھر** احادیثِ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مذہب کا کہیں پتا نہیں، بلکہ حدیث آئی ہے تو ہمارے ہی موافق آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "امرأة المفقود امرأته حتى ياتيها البيان". مفقود کی عورت اسی کی عورت ہے، یہاں تک کہ اس

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطاء، باب عدۃ التی تفقد زوجھا، جلد:۳، ص:۳۰۲، مطبوعہ: مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ ۱۴۲۴ھ
[2] شرح الأنوار، فصل القسم الثانی عدۃ الوفاۃ، جلد:۲، ص:۲۱۲، مطبوعہ: مطبعۃ الجمالیۃ

کی موت کا حال ظاہر ہو، رواہ الدارقطني في **سننه**[1] عن المغيرة بن شعبة رضى الله عنه۔ امیر المسلمین، مولی المسلمین حضرت سیدنا علی مرتضی و کُنَیف العلم، سید الفقہا، سند الائمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہماری طرف ہیں، رواہ عنهما عبد الرزاق في **مصنفه**[2]، اور قوت بر قوت یہ کہ امیر المومنین، امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے قائلِ چار سال تھے، بلکہ پہلے وہی قائلِ چار سال تھے، بعدہ قولِ حضرت مولیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ کی طرف رجوع فرمائی، كما ذكره فقيه الكوفة ابن أبي ليلیٰ رحمه الله تعالیٰ، نقله **المحقق في الفتح**. تو وہ دلیل کہ مالکیہ کو اس قول پر حامل تھی یعنی تقلید فاروقی، وہ بھی نہ رہی۔

اسی طرح حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ارشد تلامذۂ امام مالک ہیں، پہلے قول امام مالک کے قائل تھے، پھر ہمارے ہی قول کی طرف رجوع لائے اور وہی ان کے مذہب میں راجح قرار پایا، كما في ميزان الشريعة الكبریٰ[3]، ورحمة الأمة في اختلاف الأئمة[4] وهذا لفظهما:

”اختلفوا في زوجة المفقود، فقال أبو حنيفة، والشافعي فى الجديد الراجح، وأحمد في إحدیٰ روايتيه: لا تحل للأزواج حتى تمضي مدة لايعيش في مثلها غالبا“.

---

(۱) سنن الدار قطنی، باب الطهر، جلد:۴، ص:۴۸۳، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۴ھ

(۲) مصنف عبد الرزاق، باب التی لا تحلم مہلک زوجھا، حدیث:۱۲۳۳۰، جلد:۷، ص:۹۰ / ۹۱، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت

(۳) میزان الشریعۃ الکبریٰ، باب حلم التزوج من زوجۃ المفقود، جلد:۳، ص:۲۹۴، مطبوعہ: دار التقویٰ، ۱۴۴۳ھ

(۴) رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ، کتاب العدد، مطبعہ: قطر الوطنیۃ، قطر، ص:۳۱۲

بلکہ جمہور ائمہ شافعیہ رحمہم اللہ تو یہاں تک اس سے انکار رکھتے ہیں کہ اگر قاضی مہلت چار سالہ کے بعد تفریق کردے تو اس کی قضا توڑ دی جائے کہ اس نے دلیل صریح کے خلاف حکم کیا۔

امام نور الدین یوسف بن ابراہیم اَرُدبِیْلی شافعی **"کتاب الانوار لعمل الابرار"** میں فرماتے ہیں: "لوحكم حاكم بأنها تتربص أربع سنين، فتعتد عدة الوفاة ثم تنكح، وتربصت وحكم ثانيا بالفرقة واعتدت ونكحت، نقض حكمه إلا إذا بان أنه كان ميتا وقت الحكم[١]". **اسی** میں ہے:" لو قضى قاض بصحة نكاح زوجة المفقود بعد أربع سنين ومدة العدة، نقض حكمه[٢]. اهـ. ملخصاً.

شرح انوار میں ہے:"**قوله**: (**نقض حكمه**) لمخالفته القياس الجلي في جعل المفقود ميتا في النكاح دون المال، وماجزم به المصنف هو الذي عليه الأكثرون، كما يعلم من كلام الرافعي هنا[٣] "الخ تو جو اس قول کے قائل تھے ان پر بھی اس کا ضعف ظاہر ہوا، جب تو اس سے رجوع فرماتے آئے، اور قول ضعیف پر حکم وفتویٰ دینا جہل ومخالفتِ اجماع ہے۔

فی الدر المختار:"حاصل ما ذكره الشيخ قاسم في تصحيحه أنه لا فرق بين المفتي والقاضي إلا أن المفتي مخبر عن الحكم، والقاضي ملزم به، وأن الحكم والفتيا بالقول المرجوح

---

(١) الأنوار لأعمال الأبرار، فصل القسم الثاني عدة الوفاة، جلد:٢٠، ص:٢١٢، مطبوعہ: مطبعة الجمالية، مصر
(٢) الأنوار لأعمال الأبرار، كتاب أدب القضاء الطرف السابع فی الاشهاد الخ، جلد:٢، ص:٤١٣ / ٤١٤، مطبوعہ: مطبعة الجمالية، مصر
(٣) شرح الأنوار، كتاب أدب القضاء الطرف السابع فی الاشهاد الخ، جلد:٢، ص:٤١٣، مطبوعہ: مطبعة الجمالية، مصر

جهل وخرق للإجماع[1]". پھر معاملہ بھی کونسا؟ معاملۂ فروج جس میں شرع مطہر کو سخت احتیاط ملحوظ، یہاں تک کہ باآنکہ اصل اشیا میں اباحت وحلت ہے، فروج میں اصل حرمت ٹھہری، تو ایسے امر میں ایسے قول کی طرف اپنا ایسا قویٰ ومدلل مذہب چھوڑ کر جانا کیسی کھلی بے احتیاطی ہے!!!

رہا دعویٰ ضرورت، اس کا حال یوں کھلتا ہے کہ ہندوستان کی نوجوان عورتیں جو بیوہ ہو جاتی ہیں، باآنکہ شرعاً نکاح ثانی کی اجازت ہے، اپنی ایک جھوٹی رسم کی پیروی سے عمر بھر بیٹھی رہتی ہیں، اس وقت نہ انہیں ضرورت سوجھتی ہے، نہ یہی خیال آتا ہے کہ جوانی کیوں کر کٹے گی؟ نہ یہ کہ نان ونفقہ کہاں سے ملے گا؟ مگر خاوند مفقود ہو کر یہ سب دعویٰ ہجوم کرتے ہیں، اگر ضرورت کا دعویٰ سچا ہے تو وہاں صبر کیوں کر رہتا ہے؟ اور جب وہاں کیا جاتا ہے، حالانکہ قطعاً بے شوہر اور ازواج کے لیے حلال ہیں، تو یہاں کیوں نہیں کیا جاتا کہ یقیناً شوہر دار تھیں اور موتِ شوہر ثابت نہ ہوئی؟ مگر ہے یہ کہ جُہّال کے نزدیک رسم کا اتباع حکم کے اتباع سے زیادہ ہے۔ یہاں حیلے تلاش کیے جاتے ہیں کہ کسی مذہب میں کوئی راستہ نکلے اگرچہ اپنے مذہب میں نِرا حرام ہو، وہاں رسم نہیں چھوڑی جاتی اگرچہ چاروں مذہب میں کھلی حلت ہے۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے۔

بات یہ ہے کہ نفس کی باگ جب نرم کر دیجیے؛ دبا لیتا ہے۔ اس وقت ضرورت، حاجت، معذوری، مجبوری سوجھتی ہے اور جب باگ کرّی کر لیجیے؛ دب جاتا ہے۔ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جوش نرا دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔ صحیح حدیث میں حضور پرنور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: "من استغنیٰ بالله؛ أغناه الله، ومن استعف؛ أعفه الله" جو اللہ عزوجل کے بھروسے پر خلق سے بے

---

[1] الدر المختار شرح تنویر الأبصار، مطلب: فی رسم المفتی، ص:۱۶، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ

پرواہی کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے غنی کردے گا اور جو سچے دل سے پارسا بننا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسے پارسا بنادے گا، رواه الإمام أحمد[۱] والنسائي[۲] والضياء المقدسي عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه. جنہیں نکاح پر قدرت نہ ہو، ان کا علاج صحیح حدیث میں روزے رکھنا ارشاد ہوا ہے کہ: "من لم يستطع فعليه بالصوم، فإنه له وِجَاء". رواه أحمد والستة عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وسوق الحديث وإن كان في الرجال، فالنساء شقائقهم، بعضكم من بعض".

بلکہ احتیاجِ نفقہ کے عذر کو غور کیجئے، تو وہ بھی اسی عذر جوانی کے ساتھ ہے جس کا علاج حدیث میں ارشاد ہو گیا۔ سن رسیدہ عورتیں جن کے شوہر مرتے یا مفقود ہو جاتے ہیں، انہیں تلاش نفقہ کے لیے فکرِ نکاح نہیں ہوتی، وہ کیوں کر بسر کرتی ہیں؟ اور بحالت بیوگی تو ہند کی نوجوانیں بھی اسی حال میں شریک ہیں، وہاں خدا جانے! شانِ رزّاقی خاوند میں کیوں نہیں منحصر ہو جاتی؟

لطف یہ ہے کہ یہاں تقلیدِ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا دامن پکڑا جاتا ہے، جاہل لوگ ان کا مذہب یہ سمجھتے ہیں کہ مرد کو گئے چار برس گزرے اور عورت کو یوہیں عدت بیٹھ کر نکاح حلال ہو گا۔ حاشا، یہ ان کا مذہب نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت قاضیِ شرع کے حضور دعویٰ پیش کرے، قاضی بعد ثبوت مفقودی کہ اس کی خبر ملنے سے بالکل ناامیدی ہو گئی ہو، اب سے چار برس کی مدت اپنے حکم سے مقرر کرے، اس مدت میں بھی پتا نہ چلے تو پھر قاضی تفریق کر دے، اس کے

---

[۱] مسند حنبل، حدیث: ۱۱۰۶۰، ج: ۱۷، ص: ۱۱۴، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ

[۲] سنن نسائی، جلد: ۴، ص: ۱۶۹، مطبوعہ: مکتبۃ المطبوعات الإسلامیۃ، ۱۴۰۶ھ

بعد عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے اور شوہروں کے لیے حلال ہو جائے۔ حضورِ قاضی، رجوع سے پہلے اگر بیس برس گزر گئے ہیں تو ان کا اصلا اعتبار نہیں۔

علامہ زرقانی مالکی **شرح موطا امام مالک**ﷺ میں فرماتے ہیں:"قول مالك: لو أقامت عشرين سنة ثم رفعت؛ يستأنف لهاالأجل[۱]". **اسی میں ہے:**"قول مالك أيضاً: تستأنف الأربع من بعد اليأس، وإنها من يوم الرفع[۲]".

اب کہیے، اگر قول امام مالک ہی پر عمل کیجئے تو اول تو یہاں قاضی مالکی کہاں؟ اور قاضی حنفی اپنے خلافِ مذہب کیوں حکم دینے لگا؟ اور دے بھی تو اس کے نفاذ میں دقتیں ہیں اور نافذ بھی ہو جائے تو ابھی ساڑھے چار برس پڑے ہیں، یہ کیوں کر کٹیں گے؟ ایسی بے صبری وادعاے بے رزقی کا علاج تو یوں بھی نہ بنا۔

غرض خلاصۂ مقصد یہ کہ اللہ سے ڈرے، اللہ سے ڈرے، اللہ سے ڈرے، امر فروج کو سہل نہ جانے، فقدانِ شوہر کو مرگِ شوہر کے پلے میں رکھے اور اتباعِ حکم کو اتباعِ رسم سے اہم تر سمجھے اور تصور کرے کہ ہند کی نوجوانیں بیوہ ہو کر کیوں کر بسر کرتی ہیں، بلکہ یہ بھی درکنار اس دارالفتن ہند پُرمِحَن میں بہت شریف زادیاں ایسی نکلیں گی جن کے خداناترس شوہروں نے انہیں جیتے جی معلقہ کر رکھا ہے، نہ تعلق رکھیں نہ قطع کریں، وہ بے چاریاں نہ شوہر والیاں نہ بے شوہروں میں، پھر وہ کیا کرتی؟ اور اپنی عفت، باپ دادا کی عزت، شرع کی اطاعت کیوں کر نگاہ رکھتی ہیں؟

---

[۱] شرح الزرقانی علی مؤطاالإمام مالک، جلد:۳، ص:۳۰۲، مطبوعہ: مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ ۱۴۲۴ھ

[۲] شرح الزرقانی علی مؤطاالإمام مالک، جلد:۳، ص:۳۰۲، مطبوعہ: مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ ۱۴۲۴ھ

قطعِ خواہش کو روزوں کی کثرت کرے، خیالاتِ دل کو یادِ موت و قبر سے لگائے کہ موت کی یاد ہر خواہش ولذت کو بھلا دیتی ہے۔ اگر ماں باپ بھائی کے ذریعے سے گزر کی صورت نہیں، سینے پرونے وغیرہ کاموں سے وقت کاٹے کہ اللہ عزوجل کے یہاں صابروں میں لکھی جائے اور بحکمِ قرآن بے حساب ثواب پائے۔ اقارب محارم اگر خبر گیری کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ثواب عظیم لیں، اپنی بیٹی بہن بے ثبوتِ بیوگی نکاحِ غیر کی بلا میں نہ پڑنے دیں، عوام ہند ذرا ذرا سے فضول وبیجا دنیوی جھگڑوں پر دختروں، خواہروں کو بٹھا رکھتے اور ان کا کل خرچ اپنے پاس سے کرتے ہیں۔ یہ دینی حکم ہے اور اپنی ناموس کے خاص حرام و حلال کا معاملہ، اس میں بھی ذرا غیرت و حمیت کو کام فرمائیں اور سمجھ بوجھ کر انجان نہ بن جائیں۔ وبالله التوفيق. وهو الهادي إلى سواء الطريق"۔انتہیٰ۔

بالجملہ صاحب جامع الرموز علیہ الرحمہ کا قول قابل قبول نہیں، نہ ان کے قول پر فتویٰ دینا درست، نہ عمل کرنا جائز۔ مفقود کا ہم عمر جب تک اس شہر میں ایک بھی باقی ہو گا، اس وقت تک اس کی موت کا حکم نہ کیا جائے گا، اگر اس کی جستجو میں دقت واقع ہو تو انہیں علامۂ محقق یگانہ، فاضلِ فرزانہ، امام ابن الہمام رحمہ اللہ العلام کے قول مفتیٰ بہ پر عمل کیا جائے گا یعنی مفقود کی عمر سے جب **ستّر** برس گزر جائیں گے، تو اس کی موت کا حکم دیا جائے گا[1]۔

---

[1] اَقول: دور حاضر میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر اس خصوص میں فتویٰ دیا جاتا ہے، جس کی تفصیل مقدمے میں گزر چکی ہے۔ (مفتی مزمل)

جواہر اخلاطی میں ہے: "يحكم بموته بعد سبعين سنة، وهو المعول عند البعض، وعليه الفتوىٰ". [۱]

یعنی مفقود کی موت کا حکم ستر برس کے بعد کیا جائے گا اور یہی بعض کے نزدیک اعتماد کیا گیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اس کے بعد اگر عورت نکاح کرنا چاہے تو عدت کی مدت پوری کر کے جس سے چاہے نکاح کرلے، یہ مذہب حنفیہ ہے، اور مذہب مالکیہ جہالت (٦) میں اور اوپر **فتاوائے العطايا النبويه** سے گزر چکا۔

پس روشن طور پر مثلِ آفتاب واضح ہو گیا کہ جس عورت کی بابت مفتی صاحب نے فتویٰ دیا، وہ نہ مذہب حنفیہ کے مطابق نہ مذہب مالکیہ کے موافق بلکہ چاروں ائمہ ٔکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مخالف ہے، وہ مفتی صاحب کا خاص اپنا اجتہاد، سرمایۂ فساد، مظہر جہالت ولیاقت ہے۔ مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا؛ کاربند ہونا حرام، جو اس پر عمل کر کے مرتکب اس فعل شنیع کا ہو گا تو عورت و مرد دونوں عند الشرع حرام کار و بد اطوار قرار دیے جائیں گے، جو نکاح پڑھائے گا یا گواہ و وکیل ہو گا یا اور کسی طرح سے مدد کرے گا، وہ بھی بدکار و گناہ گار۔ اگر ایسا فعل وقوع میں آگیا ہو تو عورت و مرد دونوں جدا ہو جائیں اور سب کے سب درگاہِ خالقِ بے نیاز وستار و غفار میں رجوع لائیں اور توبۂ نصوح فرمائیں کہ "**التائب من الذنب كمن لا ذنب له**"۔

---

[۱] جواہر الاخلاطی، مسائل مفقود، قلمی نسخہ، ص:۱۲۲

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش (۱)
عـذر بدرگاہ خـدا آورد

مفتی صاحب نے یہ فتوی علانیہ دیا ہے، توان پر توبہ بھی علانیہ لازم کہ "**توبة السر بالسر والعلانيةبالعلانية**". مفتی صاحب کی خدمت میں ہم پھر دوستانہ و خیر خواہانہ ملتمس ہیں کہ آئندہ کسی امر شرعی کی بابت فتویٰ دینے کی ہمت وجرأت ہرگز نہ فرمائیں، اس کارِ خطرناک سے اجتناب کرتے رہیں کہ اس کے واسطے دولت علمی درکار اور آپ اس دولتِ سے محروم وتہی دست ہیں، اگر کبھی اس امرِ عظیم کی جرأت فرمائیں گے تو دنیاوآخرت کی رسوائی کے سوااور کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ازیں بہ نصیحت نگوید کست (۲)
اگر عاقلے یک اشارت بست
داناکوتواک حرف نصیحت ہی کفایت
ناداں کو کافی نہیں دفتر نہ، رسالہ
مانو نہ مانو اس کا تمہیں اختیار ہے
ہم نیک وبد جناب کو سمجھائے جاتے ہیں

تمام مسلمانوں پر واجب کہ ایسے فتووں اور ایسے مفتیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہیں، جب کوئی حاجت وامر دینی پیش آئے تو اپنے معتبر علماے اہل سنت کی طرف رجوع کیا کریں۔ جیسے **(۱)** مجدد مائۃ حاضرہ، ناصر ملت طاہرہ، حکیم امت، اعلیٰ حضرت مولانا وسیدنا مولوی مفتی **احمد رضا** خاں

---

(۱) ترجمہ: بندہ وہی بہتر ہے جو غلطی کر کے بارگاہ الٰہی میں عذر خواہی کرے۔
(۲) ترجمہ: اس سے بہتر نصیحت کوئی نہ کرے گا، اگر تو عقلمند ہے تو ایک اشارہ بس ہے

صاحب قادری برکاتی بریلوی (۲) وخاتمۃ المحدثین، عمدۃ المحققین، افضل الفقہاء والمفسرین حضرت مولانا وسیدنا مولوی **وصی احمد** صاحب محدث سورتی قادری نقشبندی پیلی بھیتی (۳) وفاضل اجل، عالم اکمل حضرت مولانا وسیدنا مولوی **ظہور الحسین** صاحب فاروقی نقشبندی رام پوری وغیرہم۔ دام فیوضہم، ورنہ گمراہ ہوجائیں گے، ہرگز راہ راست نہ پائیں گے۔ جیسا کہ حدیث **بخاری و مسلم** وغیرہ میں ہے: "اتخذ الناس رؤسا جُهَّالا، فسئلوا، فافتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا[۱]"، یعنی لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے، پس وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے، آپ بھی گمراہ ہوں گے، اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

والهداية من الله القوي الجليل، وهو يهدي من يشاء إلى سواء السبيل. والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم، وأفضل الصلوات وأكمل التسليمات على من أرسله بالحق بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، وعلىٰ آله الكرام وصحبه العظام صلاة لا تنقضي بانقضاء الشهور والأيام، وسلاما لا ينقطع بانقطاع الدهور والأعوام برحمته، وهو أرحم الراحمين.

کتبہ

الفقير العاصي، الراجي إلى رحمة الله الغني، محمود جان السني الحنفي القادري البركاتي البشاوري الجام جودھ پوري، حماه الله القوي عن شر كل غبي وغوي.

❁❁❁❁❁❁❁

---

(۱) مسلم شریف، کتاب العلم، جلد:۴، ص:۲۰۵۹، مطبوعہ: مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۴ھ

[ا]تصدیقات علمائے اعلام وفضلائے کرام بریلی زِیدَ فَیضُہُم

(ا)اللّٰھم لك الحمد، یہ مبارک رسالہ، ہدایت قبالہ تصنیفِ لطیف صاحبنا المکرم اخی فی اللہ، ذی الفضل والجاہ، حامی السنن، ماحی الفتن مولانا مولوی محمود جان صاحب قادری برکاتی پیشاوری۔حماہ اللہ و وقاہ وزاد في مدارج الکمال مرتقاہ. فقیر کی نظر سے گزرا۔ میں نے اسے باوصفِ جمالِ اجمال بقدر کافی کمال اکمال سے مزین پایا، حق سبحانہ نے اس زمانۂ فتن ومِحَن میں جو مصنف کو توفیقِ حمایتِ دین ونکایتِ مفسدین عطا فرمائی، اس پر حمد الٰہی بجالایا۔ الحمد للہ! یہ فاضل مجیب سلمہ القریب پر اللہ ورسول کی منت ہے اور اس کا صلہ ان شاء اللہ الکریم ثم رسولہ الرؤف الرحیم قربِ الٰہی وجنت ہے۔عزوجل اللہ، وعلی حبیبہ صلی اللہ، وعلیٰ اٰلہ ومن والاہ. واللہ تعالیٰ أعلم۔

کتبہ

عبدہ المذنب أحمد رضا البریلوي عُفِيَ عنه بمحمدن المصطفی النبي الأمي ﷺ



(۲)أصاب المجيب، جزاه الله خيراً ويثيب، والله تعالى أعلم بالصواب.

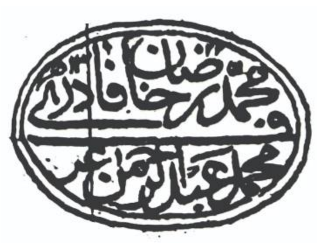
حرره: الفقير مصطفیٰ رضا النورى القادري البركاتي البريلوي غفرله المولىٰ القوي.



(۳)ذٰلك كذٰلك، والحمدلله خير مالك. قاله بفمه وكتبه بيده الفقير إلى رحمة ربه، نعمة حبه محمد المدعو بحامد رضا البريلوي عفي عنه.



(۴)صح الجواب، والله تعالىٰ أعلم بالصواب۔ *محمد عبدالرحمٰن عرف محمد رضاخان قادری*



(۵) صح الجواب، واللہ أعلم بالصواب۔ **محمد امجد علی اعظمی رضوی۔**



(٦) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ رب العٰلمین، والصلاۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین، وعلی اٰلہ وصحبہ وأولیاء أمتہ أجمعین.

اما بعد! فقیر حقیر نے رسالۂ مبارکہ "**ایضاح سنت**" ملقب بہ لقب "**تحقیق اسئلۂ ثمانیہ**" دیکھا، طبیعت نہایت مسرور ہوئی، پروردگار جَلَّ شانُہٗ اس کے مؤلف حضرت مولانا مولوی محمود جان صاحب سنی حنفی قادری برکاتی کو ثواب جمیل واجر جزیل عطا فرمائے کہ اس دورِ آخر میں ہر چہار طرف سے مخالفینِ ملتِ حقہ ومعاندین سنت سُنِیَّہ دین متین پر حملہ آور ہو رہیں اور طبع آزمائی کر رہے ہیں، اس مرد میدان نے قدم باہر نکالا اور دشمنان شریعت مطہرہ کے حملوں کو روکا، آٹھوں سوالوں کے جوابات میں کامل دادِ تحقیق دی اور حقِ انصاف ادا فرمایا، راہ جحیم چُھڑائی، صراط مستقیم دکھائی۔ اگر خیال کیا جائے اور انصاف کو دخل دیا جائے تو مؤلف ممدوح زِیْدَ فَیْضُہُمْ نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا۔ پس چاہیے کہ اس کتاب نایاب کو مطالعہ میں رکھیں بلکہ حرزِ ایمان بنائیں تاکہ شیاطین کے حملوں سے دین وایمان پر ضرر نہ آنے پائے۔

کتبہ

سید اولاد علی مرادآبادی، مقیم بریلی، عفی عنہ اللہ القوی

(۷) أحمد من نزل على حبيبه الكتب تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْئٍ، سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا، فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ، وقال:"فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" وقال:" وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّه لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ" وقال:"وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ" وقال:"فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه" وأصلي وأسلم على الذي قال:"لقنوا موتاكم لاإله إلا الله" وحرم على أمته المحصنٰت من النساء، واصطفاه ربه فقال له:"عَسٰی اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا".

امابعد! رسالہ "**ایضاح سنت**" ملقب بہ "**تحقیق اسئلہ ثمانیہ**" فقیر نے مطالعہ کیا، بحمدہ تعالیٰ ہر مسئلہ کا جواب حق و صحیح وموافقِ مذہبِ اہل سنت وجماعت پایا۔ حامی دینِ متین، ماحیِ شرِ مبتدعین، فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل جناب مولانا مولوی محمود جان صاحب سنی حنفی قادری پشاوری کو اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیشہ سنت کی حمایت اور بدعت کے رد میں کوشاں وسرگرم رکھے اور مسلمانوں کو ان کی تحریراتِ انیقہ سے فائدہ پہنچائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبید النبی نواب مرزا سنی حنفی قادری بریلوی



(۸) صح الجواب، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

کتبــــــہ

محمد حشمت علی، غفرلہ الولی، سنی حنفی قادری بریلوی۔



(۹) مبسملا وحامدا ومصلیا ومسلما۔ امابعد! فقیر حقیر پر تقصیر نے رسالۂ مبارکہ دیکھا، الحمد اللہ جواب باصواب سے مجیب لبیب نے افادہ فرمایا۔ رب تبارک وتعالیٰ اس کا نفع عام وفیض تام فرمائے اور اس کے مؤلف کو اجر جزیل وثواب عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ اگر اب بھی نہ سمجھیں، تو خدا انہیں سمجھے، فماذا بعد الحق إلا الضلال، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

کتبــــــہ

خاکسار ابو العتیق محمد صدیق علی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی، کان لہ الولی العلی۔

(۱۰) مہر مدرسہ اہل سنت وجماعت، معروف منظر اسلام، بریلی۔



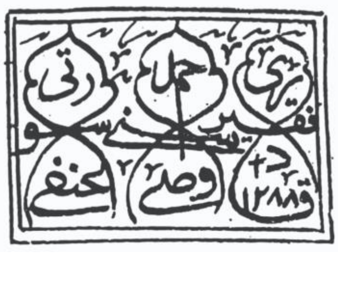
(۱۱) دارالافتاء، مدرسہ اہل سنت وجماعت، بریلی۔



[۲] تصدیقات علمائے کرام پیلی بھیت زِیدَ مَجدُہم

(۱۲) میں نے رسالہ بابرکت مسمی بہ "**ایضاح سنت**" کو حرفاً حرفاً مطالعہ کیا، صواب سے مالا مال اور غلطی وضعف سے صاف وپاک پایا۔ جزى الله مؤلفه خير الجزاء، وحشرنا وإياه يوم القيامة تحت لواء عالِم ماكان ويكون، خاتم الأنبياء، صلى الله عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه الأجلاء۔ فقط۔

حرره: الفقير القادري، وصی أحمد الحنيفي السني الحنفي، في مدرسة الحديث الدائرة في پيلی بهيت، حماه الله عن شركل مارد متمرد عفريت.



(۱۳) آٹھواں سوالوں کا جواب فرداً فرداً درست وصواب ہے۔ اللہ تعالیٰ محقق و مدقق، مولانا وبالفضل اولانا، المولوی محمود جان صاحب کو اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

حرره: العبد الفقير أبو سراج عبد الحق، تلميذ مولانا وبالفضل أولانا، خاتمة المحدثين، المولوي محمد وصي أحمد، صاحب المحدث السورتي عم فيضه القوي.

(۱۴) سبحان اللہ جوابات کیا ہیں! دریاے تحقیق کے مرواریدِ آبدار یاسماے تدقیق کے بدور پُر انوار، حلیۂ رُشد و ہدایت سے مُحلّٰی، صیقلِ صدق وصواب سے مُجلّٰی۔ فجزى الله المجيب اللبيب الأريب أحسن الجزاء، وحشرنا وإياه فى زمرة الصلحاء.

حرره: العبد الفقير، عبد الأحد السني الحنفي، تجاوز الله تعالىٰ عن ذنبه الجلي والخفي، ابن الفاضل الأوحد والعالم الأمجد، خاتمة المحدثين، أستاذ المدرسين، مولانا المولوي وصي أحمد السورتي أدام الله تعالىٰ فيضه القوي.

(۱۵) بسم الله الرحمٰن الرحيم.

نحمده ونصلى على رسوله الكريم. بندہ ایں کتاب مستطاب را دید، ہمہ جوابات را مطابقِ عقائدِ اہل سنت وجماعت یافت، والحمد لله على ذٰلك، واز خلاف نقصِ شان رفیع الشان باوجود مخالفت کتاب وسنت پیدا آید، لازالت شموس رفعته، وكيف لا، وقد قال ربه ﷻ في شانه ﷺ: "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَات" صد حیف کہ یہود بایں دشمنی، بنبوت وے ﷺ یعنی باخبار وے ﷺ عن الغيب ممن عنده الغيب، ایمان می داشتند وفرقۂ دیگر کہ اسلام وایمان را دعویٰ

کند، انکار دارد۔ فقط۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العٰلمین، والصلاة علی سیّد المرسلین، واٰله وصحبه أجمعین.

کتبــــــه: بندہ محمد فضل حق، مدرس ومہتمم مدرسۂ رحمانیہ، پیلی بھیت



[۳] تصدیقات بدایوں

(۱۶) اجوبۂ مذکورہ صحیح وصواب ہیں۔ فقط محمد عبد المقتدر عفی عنہ، از مدرسۂ قادریہ، بدایوں۔



(۱۷) صح الجواب۔ حافظ بخش، مدرس اول مدرسۂ محمدیہ، بدایوں۔



(۱۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. حامداًومصلیاًومسلماً.

[۱] بے شک علمِ حضورِ اقدس سید العالمین ﷺ کا شمول تمام ماکان ومایکون کو بلکہ اُس سے بھی زائد کو جتنا رب العزت تعالیٰ نے چاہاجس میں علوم خمسہ بھی شامل ہیں، تحقیقِ محققینِ اہل سنت سے ثابت ہے۔

[۲] حضور کی شفاعت کا منکر یااس میں شک رکھنے والا کہ کیا معلوم، ہو یا نہ ہو، گمراہ ہے۔

[۳] مطلقاً معراج کا منکر توکافر ہے کہ انکار نصِ قرآن عظیم "سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا" کا ہے۔ باقی اس کی تفاصیل میں جوامر اخبار مشہورہ سے ثابت ہے، اس کا انکار ضلالت وبدعت اور جو اخبار آحاد صحیحہ الاسانید سے ثابت، اس کا انکار فسق ومعصیت ہے۔

[۴] تقلیدِ شخصیِ ائمۂ اربعہ پر کتبِ فقہ میں اجماع منقول ہے، لہٰذااس کا مخالف گمراہ ومخذول ہے۔

[۵] بے شک اموات کو زائرین کی زیارت، ان کے سلام ودعاو قراءت کا ادراک ہوتا ہے اور یہ مسئلۂ سماع موتیٰ مسلمہ جمہور اہل سنت ہے۔

[۶] مقابر میں روشنی کرنا بہ نیاتِ صالحۂ شرعیہ، امورِ مستحدثہ ومستحسنۂ فقہا سے ہے اور بسبب نیت خیر ہونے کے، اس پر حکم خیر وبہتری دیا جائے گا۔

[۷] یوں ہی نشان روز عید بہ نیت خیر بوقت عدمِ لحوقِ عارضِ قبح انہیں امور مستحدثہ مستحسنہ میں شمار کیا جائے گا۔

[۸] یہ فتویٰ کہ زوجۂ مفقود بعد چار برس کے خود نکاح کر سکتی ہے، غلط ہے، مذہب حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ سب کے خلاف ہے۔ جوابات مجیب صاحب کے، متعلقِ امورِ مذکورہ صحیح ہیں۔ فقط۔

کتبہ

محمد ابراهيم القادري الحنفي، المدرس في المدرسة الشمسية، الكائنة ببلدة بدايون.



(۱۹) الحمد لله حمداً كثيراً، والصلاة والسلام على الرسول الذي جعله الله تعالىٰ بشيراً ونذيراً، وعلىٰ اٰله وأصحابه وعلماء ملته وأولياء أمته، خصوصاً على الغوث الأعظم والقطب الأكرم، سيدنا الشيخ محي الدين عبد القادر الجيلاني، شرفه الله تعالىٰ شرفاً كبيراً.

امابعد! حضرت عشق کی جادو نظری کے کرشمے دل لبھانے میں غیر معمولی اور بعد از خیال وقیاس اثر رکھتے ہیں، محبت کی نیرنگیاں نت نئے روپ میں نکھر کر، اپنا جلوۂ ہوش ربا دکھا دکھا کر، عالم کو فریفتہ ودیوانہ بناتی رہتی ہیں، الحق! دنیا بھر میں یہ ہنگامہ گرم ہے اور کیوں نہ ہو؟ جب کہ

سرکار حسن مطلق سے بھی تعلیم دی جارہی ہے اور یہی طرز سکھایا جارہا ہے۔ طبقۂ انبیا علیہ السلام میں جو خصوص شان، نرالی آن بان، حضور رسول ابطحی قرشی کو عطا ہوئی، اس کا حقیقی سبب بھی محبت کا چلتا اثر قرار پایا: "قل إن كنتم تحبون الله" الخ، "ومن يطع الله والرسول" الخ سے اس کا پتا ہر ایمان والے کو ملے گا۔ ہاں! غبار تَوَہُّب سے جن کی آنکھیں خیرہ ہورہی ہیں، ان کا نصیب جدا ہے۔ "ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور"۔ یہی باعث جو حبیب کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے کمال پر چنیں وچناں کرنے کا حوصلہ ہوگیا، ورنہ ہر دل والا سمجھ سکتا ہے کہ وہ سرکار بندہ نواز قادر ومختار؛ یہ محبوب سراپا ناز ہر طرح کے انعام سے نوازا ہوا، دنیا- جہاں سے نرالی طاقت وقوت والا، پھر کہاں ہماری عقل کی محدود اُچھل کود!!!اور کہاں انعام واکرام الٰہی کی غیر تعداد بارش وعطا!!!ﷺ۔

مجیب موصوف بارک اللہ لہ نے آٹھوں سوالوں کے جواب میں کمال تحقیق سے حقِ محبتِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور الفتِ محققین کو ادا کردیا۔ فجزاه الله تعالىٰ خير الجزاء۔

حرره: ابو المنظور محمد عبدالماجد القادري البدايوني، مہتمم مدرسہ شمس العلوم، بدایوں، ۱۱ر شعبان المعظم۔

(۲۰) لقد أصاب المجيب، فجزاه المجيب خيراً و يثيب.

حرره: محمد حبيب الرحمٰن القادري البدايوني، غفر الله تعالىٰ له۔



[۴] تصدیقات رام پور و مرادآباد

(۲۱) مجھ کو مضمون رسالہ اور تصحیح مولانا صاحب فاضل بریلوی سے اتفاق ہے۔

ابوالنعمان محی الدین محمد اعجاز حسین مجددی الحنفی عفی عنہ۔

(برادر حقیقی حضرت مولانا وسیدنا مولوی ارشاد حسین صاحب رام پوری قُدِّسَ سِرُّہٗ العَالِی)



(۲۲) حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شانُہ، جناب مجیب مصیب، حق وانصاف نصیب کو خلعت وانعامِ لطف واکرام خاص سے مشرف فرمائے جنھوں نے سائل کے ہر جواب میں داد تحقیق دے کر تمام مسلمانوں کو رہین منت بنایا، حق سنیت ادا فرمایا، مصدقین کرام نے دادِ[۱] تحقیق دی، قبول پسند فرما کر حوصلہ بڑھایا، فقیر ان سب حضرات کرام کے حق میں دعاے خیر کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے اور بکمالِ اخلاص "جزاهم الله خيراً" کہہ کر دکان بڑھاتا ہے[۲]۔

حرره: الفقير ابو الوقت محمد هداية الرسول سنى حنفى قادرى بركاتى نورى رضائى، عفى عنه.

---

(۱) یعنی حضرت مصنف کی تحقیق کی داد دی، تعریف کی۔ ۱۲ (مزمل)

(۲) دکان بڑھانا یہ محاورہ ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے ترکِ عمل کرنا۔ ۱۲ (مفتی مزمل)

(۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على ختم المرسلين محمد وأله وصحبه أجمعين۔ **فقیر نے رسالۂ مبارکہ "ایضاح سنت" کا مطالعہ کیا، دلائل و مسائل سب صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو جزاے خیر مرحمت فرمائے کہ انہوں نے اس پُر آشوب زمانے میں کہ خود ہی دین پر قائم رہنا دشوار ہے** "القائم على دينه كالقابض على الجمرة" **دوسروں کو راہ دکھائی۔ "ایں جہد می کند کہ برآرد غریق را" اللہ تعالیٰ مخالفین کے لیے اس تحریر کو باعثِ ہدایت کرے۔ آمین**۔ وصلى الله تعالىٰ علىٰ أكرم خلقه وأفضل رسله محمد، وأله وأصحابه أجمعين۔

حرره: العبد المعتصم بحبل الله المتين، محمد نعيم الدين، خصّه الله تعالىٰ بمزيد العلم واليقين.



[۵] تصدیقات کان پور

(۲۴) بندے نے اس رسالے کا پورا مطالعہ کیا، اس کے مقاصد و مضامین موافق مذہب اہل سنت و جماعت ہیں اور جو شخص اس عقیدے کے خلاف ہے، وہ بدعتی و گمراہ وضال و مضل ہے، ایسے شخص کی صحبت و ملاقات سے ہر مسلمان کو اجتناب کرنا چاہیے اور اس رسالے کے مقتضا پر عمل درآمد کرنا چاہیے۔ خداوند عالم اور اس کے رسول اکرم ﷺ اس رسالے کے مصنف مولانا

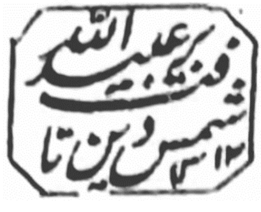
مولوی **محمود جان** صاحب کو اس رسالے کی تالیف کی محنت کا صلہ عطا کرے اور ان کو اور مجھ کو اپنی محبت صادقہ میں مستغرق کرے۔آمین ثم آمین، بحرمة النبي الصّادق الأمين ﷺ إلى يوم الدين.

مشتاق احمد، عفا عنه، الصمد ابن حضرت استاذ الزمن مولانا شاہ احمد، نَوَّرَ الله تعالیٰ مَرْقَدَہٗ وصانهما عن شريوم المِحَن.



(۲۵) لله دَرُّ من أجاب، حيث أفاد الصّدق والصواب، وحقق المسائل بالسنة والكتاب، وميز القشر عن اللباب، والله تعالیٰ أعلم بالصواب.

نمقه: الفقير إلى الله عبيد الله، عفا عنه ماجناه، المدرس بالمدرسة "فيض أحمدى" في الكانفور.



(۲۶) اس فقیر سراپا تقصیر نے اس کتاب، مقبول اولی الالباب کے ادلۂ جوابات کو دیکھا، جس سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوا۔ خداوند تعالیٰ مؤلفِ کتاب ہذا کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مؤلف مذکور نے جو کچھ اس میں تحریر فرمایا ہے، سب موافق مذہب اہل سنت وجماعت

ہے، جس کا عقیدہ اس کے خلاف ہے وہ شخص فاسق، فاجر، ضال، مضل ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک، سرورِ کائنات، صاحب لولاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طفیل مرتے وقت تک اسی عقیدے پر رکھے اور اسی پر خاتمہ کرے۔ آمین۔ فقط۔

حرره: محمد سليمان، عفا عنه ذنوبه، الحنفي مذهبا، والنقشبندي مشربا، والفضلي طريقا، والأحمدي تَلَمُّذا، المدرس بالمدرسة دارالعلوم الواقعة في الكانفور.



(٢٧)الجواب صحيح بلا ارتياب، والله أعلم بالصّواب

حرره: العبد الحقير فقير محمد، غفرله الصمد، المدرس بالمدرسة "أحسن المدارس" في الكانفور.



[۶]تصدیقات دہلی

(۲۸)الأجوبة كلها صحيحة، محمد كرامت الله، عفا عنه مولاه، الدهلوي.



(۲۹)کل جوابات ”**ایضاح سنت**“ کے، موافقِ مسلک اہل سنت جماعت کے ہیں۔ محمد عبد الرشید، مہتمم مدرسہ ٔنعمانیہ، دہلی۔



(۳۰)امابعد! خاکسار بوجہ معذوریِ نظر کے خود ملاحظہ ٔرسالہ ٔہذا سے قاصر تھا، لیکن مقاماتِ عدیدہ ٔرسالہ ٔہذا کو سن کر وتصدیق علماے کرام کو دیکھ کر اس کی توثیق میں متفق الرای ہے۔ راقم محمد عمر عفی عنہ، دہلوی۔

(۳۱) الجوابات كلها صحيحة۔ محمد پُر دل، مدرس مدرسہ ٔنعمانیہ، دہلی۔



[۷] تصدیقات جبل پور

(۳۲) باسمہ سبحانہ عزوجل، فقیر رسالہ "**ایضاح سنت**" ملقب بہ "**تحقیق اسئلۂ ثمانیہ**" کے مطالعہ سے مشرف ہوا، بحمد ربی تبارک وتعالیٰ مقاصد واحکام سَنِیَّہ کتاب مستطاب کو مقرون بالحق والصواب، مطابقِ مذہبِ مقدس اہل سنت وجماعت پایا۔ حضرت مجیبِ لبیب، فاضلِ لُوْذِعی محترم مولانا **محمود جان** صاحب کو اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں خیرِ جزا وحسنِ عطا سے سرفراز فرمائے ۔آمین۔

کتبہ

أدون عباد الله ذي الجلال والإكرام، الراصدإلى لطفه، محمد عبد السلام السني الحنفي القادري الرضوي الجبلفوري، غفر الله تعالیٰ له۔



(۳۳) جناب سامی، فاضل گرامی، مولانا **محمود جان** صاحب دام بالمواہب کے یہ اَجْوِبَۂ مُسْتَفْسَرات، تصریحاتِ محققینِ اہل سنت وجماعت سے مستند ومعتضد، بالکل صحیح، سراپا حق وہدایت ہیں۔ ربنا الجلیل مجیبِ مصیب کو جزائے خیر واجر جزیل سے مستسعد فرمائے۔

کتبہ

الفقیر عبدالباقي محمد برهان الحق الرضوي الجبلفوري، کان الله تعالیٰ له.



[۸]تصدیقات تلہر۔ ضلع شاہ جہاں پور

(۳۴) جوابات مذکورہ صحیح وصواب ہیں۔ مجیب کو اللہ جزائے خیر دے اور مضلین کو راہ ہدایت پر لگاوے۔ آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیّدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعین. فقط۔ محمد سخاوت حسین، مدرس اول مدرسۂ اسلامیہ گلشنِ فیض، تلہر۔

(۳۵) الأجوبة كلها صحيحة۔ ابوالعرب محی الدین محمد اسمٰعیل صدیقی۔

[۹]تصدیقات ولایت

(۳۶) بسم الله الرحمٰن الرحيم.

الحمد لله رب العٰلمين والصلاة والسلام على رسوله سيد المرسلين.

أما بعد! فأنا الحقير أبو الفلاح فضل محمد، عفا عنه الصمد صَدّقَ صحة هذه الرسالة بجميع مافيها من الأحكام على ماصدقه الإمام الأجل، محي السنة والمجدد في المأة الحاضرة، السيد الأفخم والمولى الأعظم، الشهير بــ أعلى حضرت البريلوي، أدام الله تبارك وتعالىٰ شموس علومه بازغة على رأس كل مهدي وغوي، وأزيد شيئا فى المفقود، وهو أنه لا بد لكل ناطق ولا سيما المفتي أن يراعي مقالته ويلاحظ معناها، ثم يعرضها على الناس. **فأقول**: لواختير مذهب مالك رحمه الله جل جلاله في المفقود بالاجتهاد فى زمان الفساد؛ ليلزم أن يقال إن سبب الإبانة بين الزوجين أربعة أشياء: أحدها: الفسخ، والثانى: الطلاق، والثالث: الموت، والرابع: فتوىٰ مشائخ هذا الزمان. لاوالله، ماسمعنا بهذا، وما هو في أساطير

الأولين، ولا في زبر الآخرين. نعم، نسمع أن بعض الناس يختاره رَأْفَةً بالزوجة، فو الله ماهذا إلا نظير "الفرار عن المطر والإقامة تحت الميزاب" بوجهين: **الأول**:لزوم زناء الأبدي من خشية زناء الإحتمالي، لعدم الفسخ وإيقاعِ الطلاق والعلمِ بالموت لا حقيقةً ولا حكماً كما هو يكون بعد مضي السنين التي يكون الغالب فيها الموت كالتسعين، وترك الرأفة بحال من هو أرفع شانا منها والقائم بأمرها، ولا سيما إذا حضر ونظر أن لامرأته البنات والبنين ممن لا يسوغ له أن يقوم ببابه ولو بعد حينٍ، وبئس الفضيحة الكبرىٰ أخذها بعد الحضور والدعوىٰ كما تحققت مرة بعد أخرىٰ، ولو كانت الإبانة بالسبب الرابع علاوة على ما في كتاب الله جَلَّ جَلَالُه وسُنَنِ رسول الله ﷺ أعني فتوىٰ بعضٍ من رجال هذا الزمان؛ لما كان للزوج أخذها بعد الحضور ، ولو تصح الفتوىٰ لكل ضرورة؛ للزم أن نفتى بصحة نكاح التسعة، كما ترى أن كثيراً من الأمراء يختارون في حب البنات مذهب الشيعة تحليلا للمتعة، ولعمري! تفهم وتعلم أن التقليد لغير المجتهد، والتسليم لغير المتقدم في كل ماجاء به من مخالفات النصوص والنقول، إنما هو تصحيح لاعتراض غير المقلدين الضالين المضلين، وفتح غرفة للخروج عن التقليد الشخصي ومطلقه، هذا نبذ من وجوه ما أمهله الإمام الأعظم رحمه الله الأرحم،فالزم نفسك تقليده في كل ما صح نقله عنه رضي الله عنه ولاتتبع سبيل المرتابين في إجماله وتفصيله .

حرره: أبوالفلاح فضل محمد الغجدواني ثم اللمقاني والبهاري، عفا عنه الصمد، بالنبي الرؤف الأحمد، صلى عليه الله الأحد، دائما إلى الأبد.

(۳۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

الحمد لله الذي أشرف قلوبنا بنور الإيمان، وتوقد عقولنا بالمعرفة والعرفان، والصلاة على خير الأنام وأصحابه الكرام. أمابعد! فهذه العجالة النافعة والرسالة الوافية، وجدتها دافعة للأوهام المذكورة فيها، وإن مؤلفها مولانا المولوي **محمود جان** صانه الله عن شرور الزمان، جادت قريحته في دفع الأسئلة بالأجوبة الأصوبة، لا زال له من التوفيق قوام، ومن التائيد عصام.

حرره: گل احمد عفی عنه، باشندۂ ملک پشاور۔

[۱۰] تصدیقات کاٹھیاواڑ

(۳۸) الحمد لله رب العٰلمين، والصلاة والسلام على سيد نا ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى اٰله الكرام الطيبين وأصحابه العظام أجمعين إلى يوم الدين. **امابعد!** فقیر ناچیز، بے بضاعت بے تمیز، ارذل الخلیقۃ بل لاشئ فی الحقیقۃ نے اس رسالہ فلاح الحبالہ کو زیر نظر گزرایا اور اکثر مضمون مافیہا کا مطالعہ کیا، سبحان اللہ، ماشاء اللہ فوراً کلمہ شکریہ کا زبان پر لایا۔ الحمد للہ! مولانا وبالفضل اولانا، جناب عالی درجات، عالمِ مدقق وفاضلِ محقق، کاشف عقود الحُجُج والبرہان، حضرت جناب مولوی **محمود جان** صاحب نے دلائلِ قاطعہ وبراہینِ ساطعہ مطابق عقائد اہل سنت وجماعت کے بیان فرمایا، اور جواباتِ ہشت مسائل ضروریات کا بدلائلِ قرآنی آیات واحادیثِ بے غایات وباقوال علما وفقہاے عالی درجات کے، صحیح وصواب تحریر فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ مجیبِ حبیب کو

جزائے خیر عطا فرمائے اور عاملینِ مسائل مذکورہ کو وساوسِ شیاطین سے محفوظ رکھے اور زمرۂ ضالین وجاحدین کو راہ ہدایت بخشے۔ آمین یارب العٰلمین۔ چونکہ مولانا ممدوح نے مسائلِ ہشت کو گویا ابوابِ بہشت پر محسوب کیا، ان کے عاملین کے واسطے ہر باب نجات کا مکشوف رہے۔ زیادہ تقریر رسالۂ موصوفہ کے لیے زبان قاصر ہے، "**حاجت مشاطہ نیست روے دلآرام را**"۔

المحرر: حقیر پُر تقصیر عبد الکریم ابن مولوی حامد صاحب المرحوم المغفور، المتوطن: بلدۂ دھوراجی، کاٹھیاواڑ، عفی عنہ وعن والدیہ۔

(۳۹) اس رسالہ صدق مقالہ کو از اوّل تا آخر دیکھا، مطابق اہل سنت وجماعت کے پایا۔ الحمد للہ! مؤلف موصوف نے سعیِ بلیغ فرمائی حتی کہ بحرِ بے کنار کوزے میں بھر دکھایا ہے۔ مؤلفِ موصوف، محب نبیِ آخر الزمان، مولانا المکرم مولوی **محمود جان** صاحب کو خداوندِ عزوجل دارین میں اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بلکہ کروڑوں مرتبہ زیادہ، شاہِ دو کون، معطی العَوْن، مکی، مدنی، عربی، ہاشمی، ابطحی، تہامی، قرشی، مُطَّلَبی، حبیبِ لبیب پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم بعدد ما هوالمکتوب في اللوح والقلم کی عزت ورفعت اور عُلُوِّ مرتبت خداوند "تعالیٰ شانُہٗ" نے گردانی ہے، جس سے ہژدہ ہزار عالم کی زبان قاصر۔

بقول شخصے: **ع** بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر۔

المحرر: احقر من عباد اللہ الغفور، عاصی عبد الشکور ابن المرحوم والمغفور مولوی دادا میاں، محمدی سنی حنفی چشتی صابری اویسی دھوراجوی، کاٹھیاواڑی، نزیلِ اپلیٹا، کاٹھیاواڑ۔

(۴۰) مؤلف کی تحریرات پر نظر ڈالی، مؤلف کو خداوند کریم نیک اجر عنایت کرے، حق کو باطل سے بچا کر بدظن وبدعقیدہ والوں کو محض راہِ راست پر لانے کے لیے سعی فرمائی ہے، خداوند کریم سعیِ مذکور مشکور فرمائے۔

راقم: آثم بابا میاں ابن یوسف میاں، پیش امام: مسجد تاڑوالی، ساکن: قصبہ اپلیٹا۔

(۴۱) الأجوبة المذكورة كلها صحيحة.

حرره: أحقر العباد، عبد الحليم بن المولوى عبد الكريم، ساكن دهوراجى، الكاٹھياواڑى.

[۱۱] تصدیقات بمبئی وسورت

(۴۲) بسم الله الرحمٰن الرحيم. صح الجواب، والله الملهم بالحق والصواب. اعلم أن امرأة المفقود امرأته كما روي عن عليﷺ:"إمرأة المفقود تنتظر أبداً حتى ياتيها البيان" ورجع عمرﷺ إليه كما هو مصرح في الكتب، لأنها امرأة لاريب باليقين، وحكم الموت للمفقود على الاحتمال، واليقين لا يزول بالشك. فافهم وما حرره علماؤنا فى الأجوبة، فهو صحيح لاريب فيه، وأنا العبد الضعيف العاصي محمد عبد السّميع الحنفي البنارسي، نزيل بمبئى، عفي عنه.

(۴۳) لاریب أن المجیب الفاضل قد وصل إلی أقصی مراتب التحقیق، وثبت المسائل بکمال الجهد والتدقیق، ورفعة شان نبیّنا قد تحیرت فیها الملٰئکة، وتعجب منها روح القدس. فیا أیها الضالون، اتقوا الله في حبیبه المحترم، ویوفقنا الله تعالیٰ بلطفه الأعظم.

کتبه: العاجز المسکین، محمد سیف الدّین، عفا الله عنه، خادم المدرسة النظامیة، الواقعة فی بمبئی.

(۴۴) بسم الله الرحمٰن الرحیم. اللهم صل وسلم وبارك علی نبي الحمد وآله وصحبه أجمعین۔خاکسار، گناہ گار، بد کردار، پریشان روز گار نے یہ جوابات کاشف حجابات مطالعہ کئے، دلائلِ قاطعہ وبراہینِ ساطعہ سے مزین ومدلل پائے۔ خداوندِ عالم اہل سنت کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور فرقۂ نجدیہ وہابیہ کے عقائد باطلہ، کاذبہ، فاسدہ، کاسدہ سے بچائے۔ جو شخص مسائلِ ثمانیہ کی پوری تحقیق ملاحظہ کرنا چاہے، حضرت امامِ اہل سنت وجماعت، واقفِ حقیقت، مُرَوِّجِ شریعت، مجدد طریقت، حامی السنن السَنِیَّہ،ماحی الفتن الدَنِیّہ، ذی التصانیف الرائقۃ والتحقیقات الفائقۃ والتدقیقات الشائقۃ، اعلم العلماء الربانیین، افضل الفضلاء الحقانیین، بقیۃ السلف الصالحین، حجۃ الخلف المُفلِحِیْن، علّامۂ زماں وفہامۂ یگاں، سر شکن وہابیاں، بیخ کَن نجدیاں، حافظ قرآں، واعظ خوش بیاں حضرت مولانا مولوی حاجی قاری **احمد رضا خاں** صاحب بریلوی دام فیضہ الصوری المعنوی کی تصانیف میں سے رسالہ ”اِنْبَاءُ الْمُصْطَفیٰ بِحَالِ سِرٍّ وَّاَخْفَیٰ“ ورسالہ مبارکہ ”خالص الاعتقاد“ ورسالہ ”اللِوَاءُ الْمَعْقُوْدِ لِبَیَانِ حُکْمِ امْرَأَۃِ الْمَفْقُوْدِ“ وغیرہ ملاحظہ کرے۔

الراقم: نیاز مندِ درگاہ قدیم، عبدالحلیم کریالوی، مقیم بمبئی، امام مسجد مستری محلہ۔

(۴۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. نحمده ونصلي على رسوله الكريم. **امابعد!** واضح ہو کہ حامیِ دینِ متین جناب مولانا مولوی **محمود جان** صاحب نے جو فتویٰ تحریر کیا ہے، نہایت اعلیٰ درجہ کا صحیح اور درست ہے، جس میں علم غیب کے متعلق، شب معراج کی نسبت، وشفاعت محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبت حقیقت میں لاجواب تقریر پیش کی ہے اور درست ہے، واقعی میں احمد مجتبیٰ محمد مصطفی شفیع یوم النشور ﷺ کو تمام ماکان ومایکون کا علم باعطاء اللہ تعالیٰ یعنی اول جو کچھ ہوا اور قیامت تک جو کچھ ہوگا، رب العالمین نے سید المرسلین، سردارِ دوجہاں، نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو معلوم کرادیا ہے اور اس کا منکر لامذہب اور گمراہ ہے، اور یہ اعتقاد اہل سنت کا ہے کہ خداوند عالم نے اپنے حبیب کو پسند کیا اور برگزیدہ کیا اور علم غیب سے مطلع کیا، یہ خداوند قدّوس کا فضل تھا۔ اللہ رب العزّت اپنے پیارے رسول کے صدقے سے ان بدمذہب اور گمراہ شیطانوں سے بچاوے۔ اللهم احفظنا من الضالين. آمين.

مولوی نور محمد سیف الحق، واعظ الملک، عفا اللہ عنہ، از بمبئی۔



(۴۶) هذا الجواب صحيح.

كتبه: محمد سعید سرهندی، جلال أبادی، نزيلِ بمبئی.

(۴۷) ماشاء اللہ، مجیب صاحب نے ہر سوال کا بہت تفصیل سے جواب دیا ہے اور ہر جواب درست و صحیح اور عام فہم عبارت ووضاحت سے تحریر فرمایا۔ میں نے کتاب کے اکثر مقامات دیکھے، بہت اچھے مضامین پائے۔

احقر العباد، راجی الی رحمۃ الرحیم، فقیر ناچیز محمد فضل کریم، عفا اللہ عنہ، دہلوی حنفی قادری چشتی، امام مسجدِ رنگاری محلہ، بمبئی۔

(۴۸) أصاب من أجاب.

کتبہ: العبد الفقير، الراجي إلى رحمة ربه الكريم، المدعو بمحمدجسيم، امام مسجد مرغی محلہ، وداماد مولانا مولوی عبد الغفور مرحوم، ساکن بمبئی۔

(۴۹) المجيب مصيب.

کتبہ: العبد محمد عبد المنعم باعكظه، خطیب مسجد جامع، بمبئی۔

(۵۰) أقول وأحرر حامداً ومصلياً أن ما أجاب به المجيب اللبيب الفاضل، المولوي **محمود جان**– صانه الله المنان عن شرور أهل الزمان بحرمة سيد وُلْد عدنان– في هذه الرسالة الشريفة والعجالة والغريبة، فقد أصاب فيه إصابة بينة، وفاز به فوزاً عظيماً، وحصل لمخالفه خسرانا مُبِيْنا، فجزاه الله تعالىٰ لسعيه وإحسانه على المسلمين جزاء جزيلاً، وأجره أجراً جميلاً.

حرره: الراجي إلى رحمة ربه الصمد، مرزا محمد عفي عنه وعمن له حق عليه ما جَنَوْهُ، بالخطأ والعمد، ساكن بلدة بمبئى.

(۵۱) المجیب هو المصیب۔

حررہ: *محمد عثمان، ساکن بمبئی، محلہ کماٹی پورہ، دوسری گلی۔*

(۵۲) ماأجاب المجیب فهو حق، والحق أحق أن یتبع

حررہ: خادم الطلبة غلام رسول، عفي عنه، ساكن بلدة سورت.

[۱۲] تصدیقات بنگلور و میسور

(۵۳) بسم الله الرحمٰن الرحيم. الحمد لله الذي هو مُحْكِم أصول الأحكام والأركان، ومنزل أنواع العلوم والفنون والإيقان، هوا لحي القيوم ذوالجلال والجمال، الحكيم اللطيف المنزه عن التغير والزوال، فمن ائتمر فى الأحكام والأركان؛ نجىٰ ومن أطاع فى الأصول والفروع؛ هدىٰ، والصلاة والسلام على رسوله الذي جاء بالهدىٰ والبيّنات، وأظهر في العالم دلائل القاطعات، فمن اعتصم بهديته؛ لايضل ولا يشقى، ومن أعرض وراء ظهره؛ في الجحيم يلقى، وعلى اٰله وأصحابه الذين هم نجوم الهدىٰ والتبيان، وعلى تابعهم وتبع تابعهم الذين سبقونا بالإيمان، وعلى الأ ئمة الأربعة الذين هم قاموا بنصرة الدين العُظام، وشاع مذاهبهم فى جميع العالم إلى يوم القيام، خصوصاً على قدوة المجتهدين، إمام المسلمين، سراج الأمة، كشف الغمة، إمامنا الإمام الأعظم والهمام الأفخم أبي حنيفة النعمان– أدام الله تابعه في روضة الجنان، وجعل محبته سعادة الدارين ونيل السرور– ومن لم يجعل الله له نوراً فماله من نور، وعلى أوليائه الكرام وأصفيائه العظام، خصوصاً على قطب الأقطاب وفرد

الأحباب، غوث الثقلين، قطب الدارين، سلطان العارفين، إكليل السالكين، تاج الأولياء وسراج الأصفياء، القطب الرباني، الغوث الصّمداني، حضرة محي الدين، سيدنا ومولانا وجَدّنا وهُدانا، السيد عبدالقادرالحسني الحسيني الجعفري الجيلاني رضي الله تعالى عنه، وأدام الله ظله على سائر المسترشدين والمريدين.

أما بعد! رأيت هذا الكتاب المستطاب، عظيم الشان، قويم البرهان، صغير الحجم، كثيرالفوائد، مبانيه متين فى غاية المتانة، ومعانيه مكين فى نهاية المكانة، أسلوب مضامينه حسن الأساليب وطرز بيان مسائله أعجب الأعاجيب، مُؤَلَّفاً في رد مذهب الوهابية النجدية والفرقة الضالة المردودة، من جامع الشريعة الغرّاء وواقف الطريقة البيضاء، حامي الدين المتين، ماحي شر المبتدعين، عالم النبيل، فاضل الجليل، مولانا المولوي **محمود جان** السني الحنفي القادري، فلله دَرُّه حيث سلك مسلك الاقتصاد في إماطة الأذى عن طريق الحق وسبيل الهدى، فوجدت فيه زَوَاهِرَ دُرَرٍتَشَعْشَعَتْ نورُ مَعَانِيْهِ، ودريت منه لَاٰلِيَ غُرَرٍ تَلَأْلَأَتْ ضَوْءةُ مبانيه، إنه حجلة مقنعة يُزَرُّ من طبلة المسك على معطر مطهر معنبر، ظهر من سرادق العنيف على مِنَصَّة الجلوس، فوائحه تفوح من فتوحاته كما يفوح المسك من نافجاته، فحبذا قوم يطلعون على جِيّات غموضات حقائقه، ومرحبا برهط يغوصون في لُجّات خفيّاتِ دقائقه، فلاريب أن هذاالتأليف الشريف المغني عن التوصيف بعلوشأنه، والتصنيف المنيف المستغني عن البيان سمو مكانه. فيا أيها الإخوان والخُلّان، ابتدع في هذه الأيام الفاسدة والأ وان الكاسدة رجال يعدونهم ظاهرا فى مذهب الحنفية، وينسبون إلى طريقة الصوفية، لكن مسائلهم فاسدة وعقائدهم باطلة، كما قال شفيع المذنبين، خاتم النبيين، رسول

الله ﷺ:"يخرج في اٰخر الزمان رجال يختلون الدنيا بالدين، يلبسون للناس جلود الضان من اللين، ألسنتهم أحلى من السكر، وقلوبهم قلوب الذئاب"رواه الترمذي. لكن عادة الله جرت، وسنة الله قد مضت، لإعلاء الشريعة الغراء وإعلام الطريقة البيضاء في كل زمان ومكان إلى الاٰن، أن يبعث المحق على عقب المبطل، كما رواه البخاري من قوله ﷺ:"لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق"الحديث. والمثل السائر:"لكل فرعون موسىٰ" فبناءً عليه، قرّر الله في هذه الأيام الفاسدة والأوان الكاسدة على إبطال مذهب الوهابية المردودة، والفرقة النجدية الكفرة- خذلهم الله تعالىٰ- من فرقة أهل السنة والجماعة وطريق الصوفية المبُجّلة،رجلاصالحا مُقَنِّنَ مَجَامِع الشريعة الغَرَّاء ومُؤَسِّسَ الطريقة الصوفية البيضاءِ، اٰية من اٰيات رب العٰلمين، وارث الأنبياء والمرسلين، خاتمة المحققين من الفقهاء والمفسرين، مجدد المئة الحاضرة، ناصر الملة الطاهرة، مولانا وملجانا وسيدنا، المولوي الحافظ القارئ العالم الفاضل الحاجّ **أحمد رضا** خان الحنفي القادري البركاتي البريلوي، متع الله المسلمين ببقائه.

حاصل الكلام وغاية المرام، خرج رجال ينتسبون ظاهراً فى طريقة الصوفية، لكنهم يحطون طريقة العالية القادرية والطريقة الفخيمة الغوثية، ولا شك أن طريقة القادرية أعلى وأولىٰ من طرائق النقشبندية والجشتية والسهروردية، وشيخ الشيوخ كلِّهم هو السلطان محي الدين عبد القادر الحسني الحسيني الجعفري رضي الله عنه، هو قطب الأولياء الكرام، شيخ المسلمين والإسلام، ركن الشريعة وعَلَم الطريقة، وموضع أسرار الحقيقة، واطّلع على معان خفايا؛ مكامن المكنونات، وشاهد مجاري القدر في تصاريف المشيات، وفاز شرائفَها، وهجر في مهاجرته إلى الحق كل الخلائق، وتزود في سَغْره إلى ربه أحسن الآداب وأشرف اللواحق،

وعقد له أَلْوِيَةَ الولاية؛ فوق العلا ذوائبها، ورفع له منازل جلاله؛ في سماء القرب كواكبها، رضي الله عنه وأرضاه عنا.

كتبه: المسكين، سجادة البنگلور، سرقاضي المفتي الحاجّ السيد الشاه محمد عبد الغفار القادري الحنفي البنجلوري، المقيم في المسجدالجامع، مُعَسْكر بنجلور، صانه الله عن الفتن والشرور.



(۵۴) بسم الله الرحمٰن الرحيم. الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لانبي بعده، ورضي الله تعالىٰ عن الصحابة والقرابة والآباء والجدود وأهل بيت رسول الله أجمعين، وخصوصاً عن الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان- أدام الله تعالىٰ تابعه في روضة الجنان- وعن الغوث الأعظم، جدنا وشيخ شيوخنا، محي الملة والدين، السيد الشيخ أبي محمد عبد القادر الحسني الحسيني الجيلاني، أدام الله تعالىٰ ظله علىٰ رؤوس العالمين.

أما بعد! فإني قد تشرفت بمطالعة هذه العجالة الغريبة والصحيفة الشريفة، وسرحت نظري فى مضامينهاورقاً ورقاً وحرفاًحرفاً، فوجدتها مطابقة للسنة والجماعة، وموافقة للأدلة القوية القاهرة، والأصول الأربعة الباهرة، والروايات الصحيحة الفقهية.

شعر: ففي كل لفظ منه روض من المنىٰ
وفى كل سطر منه عقد من الدُرَرَ

ودلائلها ساطعة كالشمس في الضحىٰ، وبراهينها لامعة كالقمر في الدجىٰ، كيف لا! وقد حققه المؤلف المحقق الذي هو أنموذج المتقديمين، ولم لا!وقد دققها المصنف المدقق النبيل، عالم الشريعة الغراء، وواقف الطريقة البيضاء، حامي الدين المتين، وماحي طائفة المبتدعين، مولانا المولوي **محمود جان** السني الحنفي القادري- جزاه الله رب البرايا، ووقاه عن جميع الآفات والبلايا- ومن أنكر هذه الرسالة القاهرة والمقالة الباهرة، فهو من المُتَوَهِّبِيْن المضلين، تاب عليهم خير التوابين.

حرره: الراجي إلى لطف ربه القوي، عبد النبي الأمي، السيد حيدر شاه القادري الحنفي، تجاوز الله تعالىٰ عن ذنبه الجلي والخفي، وحفظه عن مُوْجِبات الكي والغي،المتوطن: كج بُهْوج، المعروف به "پیر بھڑواله" المقيم في معسكر البنگلور، صانه الله تعالىٰ عن الفتن والشرور.



[۱۳] تصدیقات مختلف بلاد

(۵۵) الجواب صحيح والمجيب نجيح۔

كتبه: محمد حسين السورتى عفى عنه.

(۵٦) بے شک اجوبۂ مذکورہ سب صحیح ہیں۔

ابو محمد، محمد دیدار علی الرضوی الحنفی الاَلوری، عفااللہ عنہ وعن والدیہ۔



(۵۷) صح الجواب، واللہ تعالیٰ اعلم

حسین أحمد العاشقي النهتوري، عفي عنه۔

(۵۸) الجواب صحیح وصواب.

کتبه: العبد دین محمد، عفي عنه.



(۵۹) صح الجواب،واللہ اعلم بالصواب

احقر فقیر رحم الٰہی، مدرس مدرسۂ منظر اسلام، بریلی، عفی عنہ

(۶۰)قطعہ در تصدیق کتاب ہذا مع تاریخ تصنیف:

خوش رہو اے حضرت محمود جان
واہ کیا طرفہ رسالہ یہ لکھا
مسئلے آٹھ ایسے لکھے پُر بہار
ہشت جنت کہئے اس کو تو بجا
غیب بھی، معراج بھی مذکور ہے
پھر شفاعت کی صفت جلوہ نما
روک دی بے قیدیِ لامذہباں
مسئلہ تقلید کا بھی حل کیا
زندوں کے سننے سنانے کے لیے
مردوں کے سننے کا بھی ہے ماجرا
روشنی کرنا مزار و قبر پر
لکھ دیا روشن دلیلوں سے روا
عید کے دن، عرس و استسقا کے وقت
ہو عَلَم بہر نشاں اونچا تو کیا
حق میں مفقود الخبر کی زوجہ کے
حکم مُحکَم لکھ دیا احناف کا

جابجا لکھیں حدیثیں، آیتیں
حجتوں سے قطع حجت کو کیا
بے سند لکھی نہ کوئی بھی دلیل
مستند کوئی حوالہ دے دیا
رہرؤوں کو شاہراہ مستقیم
بے رہوں کے واسطے ہے رہنما
تم نے کی نیکی مسلمان کے ساتھ
دے خدا اس کی جزا خیر الجزا
پکّے ہیں دندان شکن آٹھوں جواب
تاب کیا لائے گا کوئی کج دِلا
ہاں یہی ہے، ہاں یہی ہے، ہاں یہی
مذہب بر حقِّ اصحاب صفا
مصرعِ برجستہ ہے تاریخ سال
مذہب بِر حقِّ اصحاب صفا

۱۳۳۰ھ

دیگر

کمالِ علمِ آنحضرت میں جس جاہل کو کچھ شک ہو
سنادو اس کو آیہ علمك مالم تكن تعلم

یہ مضمونِ نفیس ایسا ڈھلا افتا کے قالب میں
ہے گویا جانِ افتا علمك مالم تكن تعلم

بشر کی تاب و طاقت کیا کہ مومن ہو کے منکر ہو
کہے جب حق تعالی علمك مالم تكن تعلم

مؤلف قابل تحسین ہے جس نے ٹھیک موقع پر
کیا ہے نقل آیہ علمك مالم تكن تعلم

تھی فکر سال حافظ کو ہاتف نے کہا کہہ دو
جواب آیا ہے اچھا علمك مالم تكن تعلم

حررہ: خلیل الدین حسن حافظؔ، متوطن پیلی بھیت، مصنفِ دواوین نعتیہ:
نعت مقبول خدا، و نغمۂ روح، و خمخانۂ مجاز، و آئینۂ پیغمبر۔

۱۳۰۳ھ ۱۳۰۹ھ ۱۳۱۵ھ ۱۳۳۰ھ

(۶۱) قطعہ در تصدیق کتاب منیف مع تاریخِ تالیف

ز **محمود جان** ست اعلاے دین
بسا دارِ بطلان نمودہ خراب

محبانِ سنت ازو در سرور
مطیعانِ بدعت ازو در عذاب

گلستانِ سنت ازو تازہ شد
دُرِ دین ازو یافتہ آب و تاب

کیا اس نے اعداے دین کو ذلیل
وہ سنت کا حامی ہے بے ارتیاب

ہے محسودِ اعداے اہل ہدیٰ
ہے محمودِ ابرارِ والا جناب

نمودہ شد ازوے سوالاتِ ہشت
نوشتہ بتحقیقِ احسن جواب

صحاح جواباتها كلها
أصاب المجيب اللبيب المثاب

لقد أظهر الحق مثل القمر
جزاه الكريم بغير حساب

عجب داد تحقیق و تنقیح داد
عجب سُفت دُرہاے صدق و صواب

بہر دعوے خود دلیلے نوشت
دلیلے کہ روشن تر از آفتاب

جو کی سعی احقاقِ حق کے لیے
ہوا اپنی کوشش میں وہ کامیاب

لیا کام توضیح و تفصیل سے
کیا وہم و شبہہ کا مسدود باب

خبر اہلِ طغیان کی لی جابجا
ہوئے جس سے دل ان کے جل کر کباب

لکھا ہر جواب اس قدر بسط سے
ہوئی جمع کرنے سے سب کے کتاب

کتابے کہ مضمونِ او دل پسند
عباراتِ اُو پاک از عیب و عاب

کتابے کہ گم کردہ راہ را
بمقصود منہج نماید شتاب

کتابے کہ از حسن و خوبیٔ خویش
مُسَخَّر نمودہ دلِ شیخ و شاب

کتابے کہ ارباب فضل و کمال
نمودند تصدیق باآب و تاب

ندیدش، ندیدہ شدہ، در جہاں
شود خلق یارب ازو فیض یاب

زاہلِ بصر ہر کہ او را بدید
بگفت "إن هذا لشيءٌ عُجاب"

سراپا بھری اس میں ہیں خوبیاں
جو مضمون ہے اس کا وہ فصل الخطاب

ہر اِک سطر ہے اس کی منہاجِ دیں
مگر حق میں باغی کے تیرِ شہاب

ہے پاکیزہ اور خوب شستہ زبان
غرض اپنی خوبی میں ہے لاجواب

ہر اِک اُس کے جملے سے اور لفظ سے
چمکتا ہے ارشاد کا آفتاب

ضیا رقم ہو سالِ تصنیف اب
کہ مستغنی توصیف سے ہے کتاب

سَنِ لاجواب اس کا سُن لو ہے یہ
درست اور حق ہیں یہ سارے جواب

۱۳۳۰ھ

قطعۂ تاریخ تصنیف کتاب ہذا

کیوں نہ ہو لائقِ توصیف یہ تالیفِ منیف
نورِ تحقیق سے ہر لفظ ہے تاباں جس کا

جب خیال سَنِ تصنیف ہوا دل نے کہا
مشعل فیض سے روشن ہوئی تاریخ **ضیا**

۱۳۳۰ھ

ایضا

لکھے واللہ بہت خوب جواب
سب مہِ نور فشان دین ہیں

ان کے لکھنے کا **ضیا** نے یہ سن
کہہ دیا فیض رسانِ دین ہیں

۱۳۳۰ھ

قطعہ تاریخِ طبعِ کتابِ ہذا

وہ کیا عمدہ لکھا اور چھپایہ نسخہ
جس کے ہر صفحہ سے تاباں ہے ذکاے سنت

گر سَنِ طبع **ضیا** تم کو ہے لکھنا منظور
اظہر الصدق کہو اور **ضیاے سنت**

۱۳۳۰ھ **۱۳۳۰ھ**

کتبہ: العبد المهين، محمد ضياء الدين، المكنِي بأبي المساكين، الذي مسقط رأسه پيلى بهيت، حفظ الله تعالىٰ عن شركل مارد متمرد عفريت–



۞۞۞۞۞۞۞